

# صہبائی کی نثری تصانیف پر ظہوری اور بیدل کے اثرات

مقالہ تحقیقی برای ایم فل

از  
خانم زہدہ پٹھان

استاد راہنما

دکتور سمیع الدین احمد

استادیار ، بخش فارسی

دانش گاہ اسلامی

علیگرہ

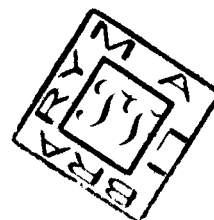
۱۹۸۶ء

DS - 863



CHEMID-2002

*Bay*



DS863



DEPARTMENT OF PERSIAN  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY  
ALIGARH

Dated.....24.3.1986.....

Certified that the dissertation for M.Phil  
entitled "Impact of Zuhura and Badil on the Prose-  
writings of Sahbai" by Mrs Zahida Pathan has been  
written and completed under my supervision. I am fully  
satisfied with the work and recommend that it may be  
submitted for the award of the degree of M.Phil in  
Persian.

*[Signature]*

*[Signature: Samiuddin Ahmad]*

(Dr) Samiuddin Ahmad  
Supervisor

## فہرست مضامین

- ۱۔ بہتر گذار ..... تا ج ۱۵
- ۲۔ باب اول ..... تا ج ۱۵
- ۳۔ باب دوم ..... تا ج ۳۱
- ۴۔ باب سوم ..... تا ج ۳۳
- ۵۔ باب چہارم ..... تا ج ۴۱
- ۶۔ فہرست مضامین ..... تا ج ۴۴

بدر کتار

## باب اول

ہندوستان میں دورہ متاخرین میں فارسی نثر کا ارتقاء

### ایسا اجمالی جائزہ

فارسی زبان و ادبیات کی تاریخ کو عام طور پر تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی دورہ متقدم، دورہ متوسطین اور دورہ متاخرین۔ یہ تقسیم بندی زبان اور بالخصوص فارسی ادب کی دور بدور ترقی، اس کی خصوصیات، تحول و تغیر کی نوعیت اور کسی مخصوص عہد میں تخلیق شدہ علمی و ادبی کارناموں کی عام کیفیات کی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ اگر تاریخ ادبیات فارسی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں علم ہوگا کہ متقدم اور متوسطین کے عہد میں عموماً نظم و نثر میں سادگی، سادہ نویسی، سہل انگاری کا عام رواج تھا۔ افکار و خیالات نثر ان کے اظہار و بیان کے طریقوں میں سادگی و صفائی کا اسلوب بیشتر برتا جاتا تھا جس کی وجہ سے موضوع اور مطالب کو سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ اگر ان دو ادوار کی چند نمایندہ نثری تخلیقات مثلاً تاریخ بلعنی (ترجمہ از تاریخ طبری)، تاریخ بیهقی، سفر نامہ ناصر خسرو، نابوہ نامہ سیاست نامہ، کہمیا سعادت، چہار مقالہ، گلہار و دمنہ، لہستان سندھ کو سامنے رکھ کر ان کے عام اسلوب اور سوز تحریر کا عام جائزہ لیا جائے تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ عمومی ان آثار کا سہل تحریر قابل فہم ہے۔ متقدم میں کے وہاں زبان ابھی اپنے ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں تھی جس کی وجہ سے بھی خیالات و معانی میں پہچان اشکال اور اسلوب نگارش میں تعقید کا عنصر کم و بیش بالکل مفقود تھا، اور پھر متوسطین تک پہنچتے پہنچتے زبان کافی منجھ چکی تھی اور اس میں سختی، صفائی، فصاحت اور شہراوہ زیادہ پیدا

ہو گیا تھا۔ - عجم سعدی کی گلستان ان خصوصیات کی نمائندہ و تصنیف کہی جاسکتی ہے لیکن امرارتقا\* کے باوجود زبان ابھی فصیح اور آوڑہ سے آغلا نہیں ہوئی تھی و اگرچہ اس دور سے ترصیع ہلاکت آمیز طرزِ تحریر اور خیالات میں بدیج اور بات کو گھما بھرا کر بیان کرینے کی خصوصیت و اطلاق و طول کلام و ثقالت وغیرہ و سفایح و بدایح کا ہکثرت استعمال جیسی خصوصیات نثر میں جگہ پائیے لگی تھیں۔ - اس قسم کی تحریر کی ایک نمائندہ مثال عبد اللہ بن فضل اللہ عجمی کی مشہور تصنیف تاریخ زمانہ ہے جس میں مرصع نگاری اپنے پورے عروج پر ہے۔ - بہر حال دورہ\* متوسطین میں ہم کو دور و دون میں اسلوب کی نمائندگی ملتی ہے یعنی اس طرزِ تحریر کی بھی جس کو ہم مرصع\* کہیں اور بلند آہنگ اسلوب قرار دیتے ہیں اور اس طرزِ تحریر کی مثالیں بھی ہمارے سامنے آتی ہیں جس کو سادہ و بے میلہ اور عبارت آرائی سے آزاد انداز تحریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ - اس دورہ میں ایک عمدہ مثال رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ ہے جو اپنے سادہ اور ہرکار اساطیل کی ہٹا\* پر ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ -

مطالعین کے عہد میں و ہندوستان میں بالخصوص فارسی نثر نگاری <sup>۲</sup>اپنا ایک مخصوص رنگ و آہنگ اور انداز اختیار کیا اور زبان میں سلاست و روانی و فصاحت اور سفاکی کی جگہ فصیح و آرائی لفظ و معنی و اور ہمجدگی\* خیال و ترصیع اور سجع دینے لگی۔ - مشکل پسندی اور اخلاق کی روایت صرف نثر فارسی ہی کے لئے مخصوص نہیں رہی بلکہ فارسی شاعری بھی اس سے متاثر تھی لہذا عموماً دورہ\* مطالعین میں فارسی شاعری اور فارسی نثر کا عام انداز یہی ہے کہ ہمدرد سادگی و اور سلا سے شاعری اور صنعت کاری اور تزئین و آرائی سے محلو نظر آتی ہے۔ - اس موع پر جب کہ دورہ\* مطالعین میں فارسی نثر کے اسلوب ارتقا\* اور رفتار کا ایک عمومی جائزہ بہتر نظر ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ

دور بد و فارسی نے اپنے اسلوب اور اپنے انداز و طرز کے لحاظ سے کون کون سی منزلتیں طے کی ہیں اور اس کے اسٹائل میں کیا تنوع اور تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی ہیں؟ اس حقیقت کا اظہار و انکشاف غالباً غلط اور بے محل نہ ہو کہ ایران نیز ہندوستان میں ایک صدی دور اور مدت کے علاوہ کم و بیش پانچویں اور تیرہویں صدی میں سے عام اور سادہ نثر کے ساتھ پلمیغ اور فصیح نثر کی روایت کی داغ بیل بھی بڑھ چکی تھی۔ یہ حقیقت مجموعی طور پر فارسی نثر کی بختگی و فروغ اور اس کے ارتقاء کی نشاندہی کرتی ہے اور اس امر کی توثیق بھی کہ فارسی نثر چہرے فارسی شاعری کے دور بد و شر ہلکے اس کے کافی بعد ترقی کی سمت گامزن ہوئی۔ عروج کیا تھا؟ بہت جلد ہی تیزی کے ساتھ ادوار طاری ہوئے۔ اسلوب کی بختگی اور بے اعتباری سے مکمل ہو چکی تھی اور اس دور میں کتب و تصانیف میں جن میں بالکل متواتری طور پر دونوں اسالیب پرتے گئے ہیں مثلاً پانچویں صدی عیسوی میں اگر ایک جابنم کو کلیلہ و دمدہ بہرام شاہی اور چہار مقالہ جیسی فصیح و سادہ و سنگتہ اور سادہ سحرے اسلوب و انداز تحریر پر مشتمل کتابوں کا وجود ملتا ہے تو دوسری طرف مقامات حمیدی اور ذخیرہ عوارزم شاہی جیسی مربع اور پلمیغ طرز تحریر کی حامل کتابیں فارسی نثر کی مجموعی ترقی و تکامل کی نشاندہی کرتی نظر آتی ہیں اور پھر اس کے بعد تو مربع طرز انشاء اور سنگت نویسی کی روایت اور روش عام ہوتی چلی گئی اور سادہ و روان اسلوب کے ساتھ مہین و آراستہ طرز تحریر پر مشتمل سرمایہ کتب خاصہ ضخیم ہوتا چلا گیا مثلاً دورہ قصوری میں انوار سہلی و اخلاق چلتی اور روشہ الصفا جیسی کتابیں اس کے علی الرغم اس دور میں ایسے نمونے بھی سامنے آتے ہیں جو سادہ و نویسی کی عمدہ مثالیں ہیں مثلاً بہارستان چک چامی یا موضوع تاریخ پر چند تصانیف جیسے حافظ ابوی کی زبدۃ التواریخ یا نسیمی عوافی کی مجمل وغیرہ۔ لہذا ان معروضات کے تحت یہ دور عموماً غالباً بے جا نہ ہوگا کہ متوسلین اور پورے میں ان کے بعد قد رجا۔ سنگت نویسی کا رواج عام ہو چلا تھا۔



ان کی محرکات و عوامل پر بیان بحث کی گئی ہے۔ مقصود یہی نہیں لیکن یہی ہے جو کہ یہ تھا کہ وہ  
عوام ہاں بالخصوص امراء یا عاظماء وقت کے لئے اور ان کے نام معدود ہوتے تھے لہذا اپنی  
علمی قابلیت و صلاحیت و انصاف برداری اور فن تحریر و انصاف پر اپنے عبور و کمال کے  
اظہار کے لئے بھی یہ طریقہ تحریر یا نثر نگاری کی یہ روش بطور مجموعی فارسی نثر کا  
طریقہ اختصار بنتی گئی۔

عندستان میں فارسی نثر کی ترقی و فروغ کا بطور عمومی اور دورہ متاخرین میں  
خصوصی طور پر اس کے ارتقاء کا اجمالی لیکن ایک اعتبار سے جامع مطالعہ اور تنقید ی  
جائزہ نہیں ہے پہلے جو اس باب کا بنیادی مقدمہ ہے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نہایت  
اعتماد کے ساتھ اس پر مشیر میں مسلمانوں کے اقتدار کا ایک تاریخی اور سیاسی پس منظر  
بھی پیش کر دیا جائے تاکہ اس کے تظاہر میں فارسی زبان و ادب کی ترقی اور وسعت ہاں بالخصوص  
نثر فارسی کی بہتر فہم اور اس کے اسالیب میں جو تبدیلیاں اور تبدیلیاں اور تغیرات  
پیدا ہوتے گئے ان کا ایک واضح نظر ہمارے سامنے آسکے۔

عہد تارہ عند میں فارسی ادب کا آغاز اس کی قسم پہلی گویا دونوں اصطلاحات پ  
یعنی عصر و نثر کی ترقی کے مترادف تھیں۔ گیارہویں صدی عیسوی (میلادی) کے ربع اول  
میں میں محمود غزنوی کے حملوں اور پھر اس کے بعد اس کے ورثاء کے زمانہ ای اقتدار اور  
مہد تسلط میں جب کہ آل غزنویہ کو ایران میں سیاسی حالات کی تبدیلی اور مسیحی ترکوں  
کی بڑھتی ہوئی طاقت اور استقامت کی وجہ سے ایرانی مصنفات و مکتوب مکتوبات سے  
دستبردار ہونا پڑا تھا ہمارے ملک میں فارسی ادبیات اور زبان و علوم و فنون کا  
رواج ان عاظماء غزنویہ و امراء اور رؤساء کے زیر سرپرستی جو عندستان کے عمالی مغربی  
حد پر مشغول تھے اور جنہوں نے اپنی تارہ و استعظام یافتہ حکومت کا مستقر پہنائے  
غزنین لاہور قرار دیا تھا عام ہوتا چلا گیا۔ بقول پروفیسر امیر حسن شاہد ی

• فارسی زبان و ادب کی ترقی میں ہندوستان کا حصہ اس قدر زیادہ ہے کہ اس کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی غرض سے دور اور بعد میں غوری عہد میں ایک وقت ایسا آیا جب ایران سے زیادہ ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کا غور پایا جاتا تھا اور وہاں کی ادبی سرگرمیاں بہان کی ادبی سرگرمیوں کے سامنے ماند پڑ گئی تھیں۔ فارسی شعراء اور مصنفین نے جو روایت محمود غزنوی کے زمانہ میں قائم کی تھی وہ بدل بھول رہی تھی۔۔۔۔۔

ہندوستان میں فارسی نثر کی تاریخ کم و بیش اسی میں قدیم ہے جتنی کہ فارسی شاعری کی اور جہاں تک ہماری معلومات اور تحقیقات کی دسترس ہے وہ ادب کے اس میدان میں پہلی ماہرہ الاعتبار مصنف شیخ ابوالحسن علی بن عثمان دیوبند (عرف داتا گنج بخش لاہوری متوفی ۱۰۷۱ عیسوی) کی مشہور زمانہ کتاب کشف المحجوب ہے جو ادب کی تحقیقات کی رو سے تصوف کے موضوع پر (غالباً "عرج تصوف کے بعد) پہلی طالب ہے جو لاہور میں ۱۰۷۱ھ میں مدون ہوئی۔ شیخ کا دوسرا نثری کارنامہ کشف الاسرار ہے۔ غالباً یہ بھی عرفان و تصوف ہی کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے لیکن اب تک اس کا کوئی نسخہ معلوم یا مطبوعہ شکل میں ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ کشف المحجوب کا انداز تحریر سادہ اور ہرکار ہے اور قریباً سے آزاد و طاری۔ دراصل ہندوستان میں عہد متوسطین کی بیشتر نثری تحقیقات کا عمومی اسلوب اور طور نگارش سادہ نگاری کے ذیل میں آتا ہے۔ اس عہد یعنی گیارہویں بارہویں اور اوائل تیرہویں صدی کی سلیس اور سادہ زبان میں لکھی گئی

---

۱۔ ہندوستان میں فارسی ادب (دہلی سلطنت سے قبل) ار ڈاکٹر نعم الدین صارف  
از پروفیسر سید امیر حسن شاہد ی ۵ ص ۵۔  
۲۔ ہندوستان میں فارسی ادب ص ۱۱۲

کتابوں میں کف المحبوب ( تالیف در حد ۱۰۶۱ء ) چر کا حوالہ بطور ماقبل میں دیا جا چکا ہے ) اور محمد بن منصور المعروف بہ نضر مدہ پر کی تصنیف عبرہ اصحاب و مدد الدین محمد عولی کی مشہور کتاب جوامع الحکایات و جوامع الروایات وغیرہ میں۔

نہروین مدی عیسوی میں متعدد تالیفات وجود میں آئیں۔ ان میں روان اور سادہ طرز نگارش والی تالیفات بھی شامل ہیں اور مربع و ثقیل انداز نثر کی تخلیقات بھی مثلاً حسن نظامی نینا پوری ( یا ہستامی ) کی کتاب تاج الطائر۔

ہندوستان میں فارسی نثر کے اسالیب پر اچالی قہرہ کرتے وقت اس بات کا خطا تذکرہ لازم قرار پایا ہے کہ اب تک یعنی گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر کم و بیش نہروین مدی عیسوی تک مختلف موضوعات کے اظہار و بیان کے لئے عرصہ " جو اسالیب اختیار کئے گئے تھے ان کی بنیاد زیادہ تر سنائی مضمون و بیان و دلچسپی و سادگی اور روانی پر قائم تھی اور متعدد گزشتہ تالیفات مثلاً کف المحبوب و تاریخ نیرالدین مبارک شاہ آداب الحرب و العبادہ و جوامع الحکایات و طبقات ناصری و فوائد اللواتک اور اس سے ماقبل چند مملوآت جن کی نسبت ان کے متعلمین کی جانب متنبہ اور غیر متنبہ تھے ہیں مثلاً حضرت خواجہ جدی اجپوریؒ کی تالیفات انیس الارواح و اور گنج الاسرار و حدیث المعارف اور ربالہ و وجود یہ یا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اویؒ کی مملوآت تالیفات بعنوان دلیل المعارفین یا حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مملوآت پر مشتمل ان کے مرید اور علمائے حضرت نیرالدین گنج شکرؒ کی تصنیف نظام فوائد و لیسالکین وغیرہ ان میں بہتر روان اور سادہ انداز نگارش ہی بروی کار آتا ہے اور یہی سلاطین و عسوسیات ان کی عام مقبولیت پر دال ہیں و لیکن بعد میں چودہویں صدی کے نصف اول ( نیمہ اول قرن ہفتم ہجری ) میں عین الدین الطلیب بہ عین الطلک بن مامور نے اپنے مراسلات اور

مکاتیب کے ذریعہ فارسی نثر نگاری کے میدان میں بالعموم اور فن ادب میں بالخصوص ایک نئے باپ اور ایک نئے طرز کا اضافہ کیا۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ عین الملک سے پہلے حضرت امیر خسرو ترمذی و عبارت آرائی و نثر معلوم اور عالمانہ طرز تحریر کی طرح ڈال چکے تھے۔ اس ضمن میں ان کی دو نمایندہ تصانیف یعنی خزان اللؤلؤ اور اعجاز خسروی اور ان کے چند مختصر القیاسات بہانہ و مرج کئے جارہے ہیں تاکہ اس دور میں جو ایک نئی راہ فارسی نثر اور فارسی ادب میں متعارف ہو رہی تھی، اس کا اندازہ ہر شخص ہو سکے اور اس بات کا ایک لحاظ سے ثبوت بھی کیا جاسکے کہ عند سلطان میں دورہ متاخرین میں جو سہٹا ادب بطور عام نہ صرف ہے حد مقبول اور مروج ہوا بلکہ غالباً اس دور کی ساری تصانیف پر اس عالمانہ، معلوم، مزین اور مرصع، مطلق اور مسجع طرز و سہک تحریر کی مر تصنیف پر کم و بیش چھاپ نظر آتی ہے جس کی بنا پر اس عہد متاخرین کو غالباً اندانہوں کے دور کا نام دینا نا مناسب نہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ خسرو کی ان دو تصانیف اور اس کے علاوہ چند اور مابعد کی نمایندہ تصانیف کے منتخب اقتباسات پیش کر دیے جائیں تاکہ عند سلطان میں ادب نگاری کے تدبیر ارتقاء کا تصور اور مفہوم مثالوں کی روشنی میں واضح اور نمایان ہو سکے۔

### (الف) اقتباسات خزان اللؤلؤ

”رقم سنج مدایح مہنگامی طائی بند و خسرو کہ قلم مر جند با بلند کند  
و تمام عرصہ سحابی و سپیدی را دست ہدست و انگشت ہانگشت بہ  
پہماید و از اول پایہ مقام این عالم در نتواند گذشت و عرصہ میدارد

بر آنجمله که چون در لوح پاک اول اما بیج مانع نگاشته بود که کَلِمَتِ طای  
 خدا یگانه بر تون ناعن بندد. چون عیال بهلوی هلال و قمر در قوس  
 سریع السیر باشد، الفالطاف الی که مفتاح لطایف لامتناهی است  
 ابواب ذخایر ولله عزاین السموت والارض بر بندد و بکند و جواهری  
 که بحر و واپو تمام را عطا نفرموده بود در ذیل سینه انطای من  
 ریخت و اگر چه هر دری از آنها بود که معقوری قیمت آن نداند و مع هذا  
 از در آن نمی نمود که نثر آن خطاب ملک طاب را عاید و اما چون متاعی  
 ازین بهتر بهایتر در چهار بازار طبیعت تعدوی تمام داشت تا چار همترا  
 در ملک نظم می کشیدم .....

(پ) اقتباس از اخبار عسری

• حامل آن خبره علوت ازین سه روح انسان کبیر گفته بود و این سه  
 عالم سفیر از طبیعت طاقی و روح علوی خویش آستان و زمین را یکجا کرده  
 در بحث طویات قلب در خوانده حقول و نفوس می افکندیم و گاه  
 بطاویف فکر معقوری و زهره را چون قطره رمل با هم می دوختیم و عطار در  
 دست ما چنان سرگردان گفته که قمر در دست قمر گرد کرد تیزی طبع  
 را با معطن چنان کار میفرمودیم که اگر همه بساطت را از سطح عنصر حک  
 میکردیم آسب بهمنری نمیرسید تا از آبیای علوی و اصیای حلی  
 سخن در سخن زاده و ذکر موالید در میان افتاد یکی گفت انسان سورتیست  
 از قلم مانع بالوان مختلف نگاشته چنانکه از دیباچه لاهوتی بسختی  
 صحیح توان نیست الرحمن خالق الانسان علی سوره یحیی که آینه وجود

ناسوتی را در مواجهه کدام سرالوحت دایعه اند تا این مثال بهمثل  
 معاینه بدیدار آمد و است که چند آن بهکر روشنائی در عینه خانه\* سپهر  
 میثای و چندین نقشه بوقلمون در نگارستان بساط زمره کون آراسته اند  
 .....

(ج) اقتباس از اعیان خسروی — (ص ۵۵)

\* وعده از آمدن فردا مادی تر و عقیده از گروه\* پهلان محکم تر  
 همتی از بهت مقلان کامیاب تر و فراستی از یقین مطلقان راست گوی تر  
 عملی از انتظار کناورزان پرده دهنده تر و زبانی از دست افراز  
 بهنده و روان خال تر و پند و از گفت پرده دهنده و حلل خوار تر و نصیران  
 سیماء مالطان صفات تر و قلص از گرائی کوه باسنگ تر و تواضعی از طایخ  
 بریار و ست تر و صحنی از سایه تاپستان راحت بخش تر و گرم شهری از  
 آفتاب رستان خورشید تر و کهتر نواز از تربیت مادیان بی منت تر و مدقه  
 از شهریانی خواهران بی ریا تر و علی از سواد جوانی طربزای تر و مرادی  
 از روز صحنی جمعیت افزای تر و درختی از هست واملان رفیع تر و سواد ی  
 از سرمد\* سروارید دیده و نواز تر و مآوره از مطرح جواهر نفاذ انگیز تر  
 عرصه از صافیت خیال وسیع تر و عبارتی از خراب راه داد و خودگوار تر  
 نامه از عمر آینه و خوش آینه تر و صافی از نعمت پاینده و پاینده تر  
 آبروی از چمنه\* زاینده و فزاینده تر و بخشی از موج زبان مادی ح افزون  
 بخش تر .....

عسری کے فن انشا یا انشائی فن نگاری کے ان مختصر و نامندہ اقتباسات ہمیں

کریے کے بعد اس سلسلے کی ایک دوسری اہم کڑی عین ماحرہ کے عنفات کی ہے جس کی جانب  
ضمنا اور مختصراً پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

عین الطلک عبد اللہ بن ماحرہ نہ صرف اپنے عہد کی نہایت ممتاز و سیاسی اور ملکی  
اعتبار سے اہم اور معروف و مہتم بالظان مصنفوں میں سے تھا بلکہ ایک صاحب طرز ادیب  
انشا بردار اور فن نگار بھی تھا۔ جب بھی ہندوستان میں فارسی فن اور بالخصوص  
فن انشا کی تاریخ کا تجربہ کرنا مقصود ہوگا تو اس کے نام کی معمولیت اور اس کے مکتوبات  
اور مراسلات کے مجموعہ یعنی انشای ماحرہ<sup>۱</sup> کے ذکر اور اس کے اقتباس کے ہمیشہ ضرورت  
ناگزیر قرار پائے گی۔ ذیل میں انشای ماحرہ کا ایک اقتباس ہمیں کیا جا رہا ہے جس کے  
مطالعہ سے یہ حقیقت متکشف ہو جائے گی کہ فنون وسطی کے ہندوستان یعنی ہندو ہونہندی ہوسوی  
میں فارسی فن کے سبک و اسٹائل نے متعین اور واضح طور پر ایک موڑ لیے لیا تھا جس سے  
آہندہ و نثری رجحانات کی بنیاد ہی ممکن ہو سکی اور اس بات کا بھی علم ہو سکا کہ اگر ایک  
طرف انشای مادہ کا رواج تھا (جس کی عمدہ مثالیں تاریخ امروز غامی ہرنی و فوائد الفواد  
اور سہر الاولیاء جیسی تصانیف میں) تو دوسری جانب فن مرصع کے نمونے بھی ہندوستانی فن  
کے دامن کو گنہادہ فر اور فارسی ادب کو وسیع کر رہے تھے اور ان نئے تجربات نے ہندوستانی  
فارسی ادب کی فنون ہندی میں قابل لحاظ طور پر اضافہ کر دیا تھا۔

انشای ماحرہ کا اقتباس حسب ذیل ہے

..... ظہران قلم را در میدان سم گونی کاغذ جولانگاہ انشا و

ابداح تصنیف و اختراع طویل و عربی خواہد بود و خواص عامہ بہتہ کار

۱۔ عصر سراج عقیق صاحب تاریخ امروز غامی نے اس مجموعہ کو "عین الطلک" کا  
عنوان اور نام دیا ہے۔

از ہمارے منکھار دیر عریہ پلاشت و جواہر زواہر ہر اعلیٰ ہستی و ہستی ہون  
 ہمان میان خواہد نمود و قلم سر آفرین صاحب دیوان مالک الانا کہ  
 مستند می نمون و مستوجب مدح و آفرین است و در زمان استخراج  
 امور لطایف و آوان استنباط کنور ظرایف او عطار در مقام اقتباس  
 نواید موقوف و در التماس فرماید چون تیر راست استاد و مثال  
 تعال جوا کمر خدمت و زبان سعادت بسند و گنادر است و در حل  
 مشکلات و کشف مہملات و اظہار لطایف و کتمان سراہر حائل ناظم مقام  
 دین و دولت و راقم سہایف انتظام ملک و ملت ہاد و تعبیر قلم او  
 در افلاحت معانی چون تیغ آفتاب جہا فکیر و واعادی آن خدمت چون  
 قلم نگونار و دستگیر حق من قال " و علم بالعلم "

مرصع نثر نگاری کے ضمن میں پہلی خاندان کے مفقود اور عالم و دانہ مند وزیر  
 مسعود گوان کا نام قابل ذکر ہے جس کے منقبات کے دو مجموعے یعنی رہا الانا اور  
 مناظر الانا اپنے مخصوص طرز انشا کی بنیاد پر تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔

فارسی زبان و ادب کی تاریخ کے اعتبار سے دورہ متاخرین کا آغاز کم و بیش  
 سولہویں صدی (عیسوی) یعنی دور تیموری کی تاسیس سے ہوتا ہے جبکہ گورکانی خاندان  
 یعنی تیمور کے ورثا میں سے ظہیر الدین محمد بابر نے ہندوستان میں اس حکومت کی بنیاد  
 ڈالی جس کو عام طور سے مغل حکومت کا دور کہا جاتا ہے۔ سولہویں صدی میں غامری کے  
 دوسرے ہندوستانی فارسی نثر کو بہت ترقی ہوئی اور مختلف موضوعات پر ہمسوں کا بہت تصنیف  
 ہوئی۔



اگرچہ اس عہد میں اسلوب کے اعتبار سے فارسی نثر میں سادہ نویسی کی مثالیں متعدد ہیں مثلاً گلبند ن بیگم کی تصنیف صابون نامہ یا عہد اکبری کے عالم و دانہ اور ملا عبد القادر بدایونی کی مشہور تصنیف منتخب التواریخ وغیرہ لیکن کم و بیش اس زمانہ سے فارسی شاعری نیز فارسی نثر میں اخلاق و امثال اور ہمید کی خیال و اسلوب اور عبارت آرائی اور ترمیم و تزئین کا رواج عام ہوتا گیا۔ اور فی الواقع دورہ مظاہرین کی نثر جب یہ استثنائے چند انہیں خصوصیات سے عبارت ہے۔ مظاہرین کے دور میں اس نثر مرمع یا "نویز مرمع" کا جن نام کر کے میں ہماری خطبہ رائے میں ملا نور الدین شہوری ترمیزی کا نام سرفہرست قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نے اپنی نثر سے جو انفرادی حیثیت کی مالک ہے ہندوستان کے دور مظاہرین میں فارسی نثر نگاری کو ایک نیا موڑ دیا۔ نئی سمت عطا کی، اور وہ اس طرز مرمع کا موجد و بانی قرار پایا۔ غالباً یہ حقیقت ہے کہ بحر بعد میں اسی کے تتبع اور تقلید میں نثر نگاروں کی اکثریت نے اپنی صلاحیتیں صرف کیں۔ اس معیار نہ نثر نویسی کے نمونوں نے جہاں ایک طرف فارسی نثر کو پیرہندہ ہوجھا اور غیر فطری بنادیا، اسی کے ساتھ ساتھ مطالعہ و طالب کو بھی د عوار سے د عوار تر بنادیا۔ سہی سادہ بات ہیچ اور اطلاق و طول کلام کے ساتھ بہر کی جائے لگی۔ مساناد ہی اور منابع ہدایہ کا استعمال گویا ایک عام سی چیز ہو گئی اور سادگی، سادگی و روانی اور فصاحت نے سادگی نثر نویسی سے بہتر اپنے "دہرے اطفال" اور یہ روایت اس درجہ عام ہوئی کہ سادہ نویسی کا رواج ہی ختم ہو گیا ہر صاحب تصنیف نے اس غیر فطری طرز تحریر کو اختیار کیا، یہی وجہ ہے کہ اگر اس دور کی تصانیف کا عام جائزہ اور ان کا ایک عمومی مطالعہ کیا جائے تو یہ ساری خصوصیات کم و بیش ہر نثر نگار کے وطن نمونے بہت اختلاف کے ساتھ قدر مشترک کے طور پر مل جائیں گی۔

اکبر کے عام و داخل وزیر ابوالفضل ملائی کے وطن بھی ہ ( جس کے بارے میں مشہور ہے کہ سلطان وقت اکبر کی تلوار سے اس درجہ خائف نہیں تھے ہ جتنا کہ ابوالفضل کے عملہ و سرور ہار قلم سے ) اپنی تصانیف بالخصوص انعامی ابوالفضل میں بھی اسکاٹل پورے طعنائی کے ساتھ ہوتا ہے ۔ شاہجہان کے مشہور مورخ ملا عبد الحمید لاہوری نے اپنی تاریخ بادشاہ نامہ میں اس حقیقت کی جانب بطور انتظار اشارہ کیا ہے کہ وہ نہ صرف ابوالفضل کا مقلد و متبع ہے بلکہ اس سے اپنی تصانیف میں اسی بلند آہنگ اور اشکال آمیز اسکاٹل کو اعتبار کیا ہے جو ابوالفضل کی تحریر کا طرہ اعتبار ہے ۔ غرض ظہوری اور ابوالفضل سے لیے کر مابعد کے ادوار تک ہم کو نشر نگاروں کی ایک بڑی متحدہ بد جماعت ان اعتباردار نشر نگاروں کی نظر آتی ہے جنہوں نے گویا فارسی نشر کو پہاڑیے ایک وسیلہ ہ اہلخ ہ جستان ہذا کر رکھ دیا اور یہ طرز نہایت مقبول ہوا ۔ غلط اور مکاتیب کے علاوہ تواریخ ہ داستان اور دوسرے موضوعات اور مضامین پر قلم بند کی ہوئی کتابوں میں بھی اس طرز ہلج کی نمائندگی بہت تر علیے کی جس کی وجہ سے اذعان اور طبائع ان تصانیف کے مضمون کے ادراک سے اکثر قاصر رہتے تھے ۔

اگرچہ اس مختصر اور اجالی تبصرہ میں ان تمام حشرات کی علمی کاغذوں کا ذکر یا ان کے تصانیف کے اقتباسات نہ صرف ناممکن اور محال میں بلکہ غیر ضروری بھی میں اس لئے یہاں ان کے ملاحظہ کی قلمی گنجائش نہیں ہ لیکن پھر بھی چند قابل ذکر مصنفین کا ذکر اور ان کی جانب اشارہ ضروری ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اس دور میں نمایندہ نشر نگار کون تھے جن کے یہاں نشری کارناموں میں " سہک ہندی " کا اظہار اس قدر عدت اور غلو اور مکمل ارادی دور ہو ہوا ہے ۔

اس موقع پر غالباً اس خطیت سے ہمیں کا اظہار پہچان دے گا کہ عندِ سنی فارسی نثر کے اس عہد میں جس کو ہم بار بار دہرہ\* مٹا رہیں گے نام سے سمجھ اور جس کا اعادہ کرتے آئے ہیں طرزِ مرصع کے نمایندہ وہ ہیں د و عصمتیں نہایت اہم اور اثر انگیز گزری ہیں۔ ہماری مراد ظہوری اور ہمارے ہی کے بعد مرزا عبد القادر بدلی\* ولادت دہ ۱۰۵۱ھ (مہری بہ عہدِ شاہجہان) سے ہے لیکن صرف ان دو اہم نثر نگاروں کو نمایندہ صاحبانِ طرز قرار دے کر عہدِ منظمہ کے دوسرے اعظم و اکابر نثر نویسوں کے (کم از کم تذکرے سے صرف نظر اور اعراضِ قطعی ممکن نہیں۔ یہ بات پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے کہ یہ پورا عہد مرصع و منظمہ و مسجع اور ہلاکت آمیز نثر نگاری کے نمونے ہیں کرتا ہے اور یہ روش ایک ایسی عام روش بن گئی تھی کہ غالباً کوئی بھی صاحبِ تصنیف اس سے طاری یا آزاد نہ تھا لیکن اس روش عامہ کے باوجود ظہور اور بدلی کے علاوہ متعدد حضرات نے اس زمین میں نئی دی راہیں نکالنے کی کوششیں کی ہیں اور ان کے آثار کے مطالعہ سے فارسی نثر نگاری کی معذکرہ بالا خصوصیات کا علم اور اندازہ بھی ہو جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر اردو کی نثر کا ایک نہایت عمدہ و مکمل نمونہ اور تحقیقی مطالعہ اور تجربہ یا محاکمہ کیا جائے تو عندِ سنی فارسی ادب کی بالعموم اور فارسی نثر کی بالخصوص نمایاں اور واضح خصوصیات ہمارے سامنے آسکیں گی لیکن یہ کام نہایت مشکل اور وقت طلب کام ہے اور اس کے لئے بڑے وسیع مطالعے اور فارسی نثر کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کی تمام فنی و لسانی و دستوری اور ادبی و علمی خصوصیات کا علم ناگزیر ہوگا۔

بہر حال اس بات کو غم کرنے کی وجہ سے ہٹانا ضروری ہے کہ ان دو استادانِ فن کے علاوہ دوسرے علیم اور قابل تذکرہ حضرات اور بھی ہیں جنہوں نے اس بحرِ بحرِ بحر میں غواہی کی ہے اور اپنی علمیت و فنیت اور بلند خیالی و مضمون آفرینی خیال بندی کا

اظهار خصوصیات نثر نگاری کے انھیں بیعتوں میں کیا ہے جن کا حوالہ بطور بالائین دیا گیا ۔  
 اس قبیل کے مختلفین میں ملا طاهر وحید ، ( صاحب انطاعی ملا طاهر ) ، ظہیر ای تفریحی ( ظہیر الدین )  
 صاحب عہد غاداب و ارادت طان واضح ، صاحب کتب میٹا پارار ، نعمت خان حالی جنھوں نے  
 انطاعی حسن و عقل لکھی ، مدعی ماد مورام ( گورکھپوری ) جن کی تصنیف انطاعی ماد مورام  
 خاص عہد کی حامل ہے ۔ ان کے علاوہ متعدد دیگر صاحبان نثر کر رہے ہیں جن کا تذکرہ  
 طول کلام کے خوف سے بیان نثر انداز کیا جاتا ہے ۔ البتہ گذشتہ صدی کے دو ناموراد یہو  
 طاهر یعنی غالب و سہبائی کا ذکر بہت ضروری ہے اس لئے کہ یہ دونوں حضرات بھی اس  
 عہد کے گنجین اور اس عہد انطاعی کے عہد میں رہے ہیں اور ان کی کاوشیں اس میدان  
 میں یادگار کارناموں کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

غرض عہد مظاہرین میں نثر نگاری کے میدان میں عہد مشکل پسندی اور اخلاق و ایہام  
 کا عنصر غالب طور پر نظر آتا ہے اور وہ تمام صفات یا خصوصیات جو نثر سادہ یا نثر  
 جاری کے علی الرغم کلام کو حد درجہ ہلاکت آمیز ، ناقابل فہم اور مفید و مریع بناتی ہے  
 لئے ضروری سمجھی جاتی تھی ، ہر وی تاریکی گئی ہیں ۔ اگر ان میں سے چند تصانیف کے  
 مطالعہ پر ہی اکتفا کی جائے تو یہ حقیقت پوری طور پر واضح ہو سکتی ہے اور نثر نگاری میں  
 ہلاکت اور ترصیع و زہانت کلام کی یہ روایات اس درجہ عام اور مروج ہو گئی تھیں کہ  
 باقاعدہ تصانیف اور کتب کے علاوہ جو تقریبات اور دیباچے تخلیق ہوئے تھے وہ انھیں  
 خصوصیات کے حامل ہوئے تھے ۔

ہا پد دم

مولوی امام بخش مہیانی اور ان کی فخر کا اچھائی نمبرہ

## باب دوم

### مولوی امام بخش سہبائی اور انکی نثر کا اجمالی تبصرہ

اگرچہ مظہر سلطنت کیے زوال کے ساتھ ساتھ فارسی کی بساطِ ادب کی بھی معنی فارسی زبان و ادب کی گرما گرمی اور اس کا بازارِ فنکارانہ بڑھ چکا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ زوال میں بھی فارسی زبان و ادب کی گرم بازاری هنوز باقی تھی۔ اگرچہ بیشتر صاحبِ قلم حضرات اردو میں اظہارِ خیال کرتے تھے اس لیے کہ ادب ہی و تہذیبی دنیا میں ہر زبان کا سکہ رائج الوقت ہوتا تھا وہ اردو زبان بھی لیکن بہت سی اہل قلم حضرات جو گذشتہ ادب و ثقافتی روایت کے حامی تھے اور اس روایت کے ترجمان مانتے تھے ان کے آثار میں فارسی کی نمائندگی ہم کو عام طور پر ملتی ہے۔

ہم ایسے صاحبِ قلم حضرات کو جن کی تعداد خاصی بڑی ہے ذواللسانین عاشر یا ادبِ دہہ کہتے ہیں۔ عاشر بات یہ ہے کہ ایسے حضرات امتداد و کی تعداد میں نہیں بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں غالب و سہبائی کے دور میں تھے۔ بسا کہ اس عہد کے ادب ہی اور تہذیبی ماحول کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی دنیا میں ادب ہی اور علمی زبان اس وقت فارسی ہی سمجھی جاتی تھی۔ اس بات کا واضح الجہاز خود اس عہد کے ادیبوں اور فنکاروں کے احوال میں ملتا ہے۔ مثلاً غالب اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ

فارسی بہن کا بہمنی نقشہائے رنگ و رنگ

ہنگو از مجموعہ اردو کہ بہرنگِ من است

اس زوالِ آمادہ دور میں غالب کی عصمت ایسی تھی جو اردو اور فارسی دونوں کا سنگم تھی۔ غالب کے عہد اس عہد کے دوسرے مشہور شعرا جیسے عبداللہ علوی، تفتہ، مومن، نیر، شبستہ اور سہبائی وغیرہ فارسی زبان میں شعر کہنا یا غلو اور تقریبات لکھنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ بہرحال ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں اردو زبان کے ساتھ فارسی زبان میں بھی اہل قلم حضرات نہ صرف زبردست عالمانہ مہارت رکھتے تھے بلکہ ان کے متعدد آثار اور تخلیقات فارسی ہی میں قلم بند ہوئے ہیں۔ نیز فارسی زبان صرف شعر لکھنے ہی محدود نہ تھی بلکہ

نثر فارسی نے کچھ اعلیٰ نمونے بھی ہم کو در آئے ہیں۔

اردو کے طاعرون اور ادیبوں میں صرف سبھائی ہی ایسے شاعر تھے جنہوں نے اردو زبان کے عروج کے باوجود اسے قابلِ امتنا نہ سمجھا اور اپنی شعری و نثری کا وعون کو بہتر فارسی زبان میں ہی بہہ کیا۔

ہندوستان میں فارسی زبان کا آغاز غزنوی اور غوری بادشاہوں نے آمد سے ہوا اور جب ۶۲ھ میں قطب الدین ایبک تختِ ملی پر متمکن ہوا تو فارسی ہی دہبازی اور علمی زبان قرار پائی۔ حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں، یکے بعد دیگرے کئی خاندانوں کو عروج و زوال ہوا لیکن فارسی زبان کی اہمیت کم نہ ہوئی بلکہ وہ روز بروز ترقی کی طرف گامزن رہی۔ اس کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ سکندر لودھی (سنہ ۸۹۴ھ) کے دور حکومت میں ہندوستان عام طور سے کاسٹمون نے بھی فارسی کی طرف توجہ دی اور اس کو سیکھنے کی توجہ کی۔ اس بات سے عائد ہوا ہے کہ علمی و ادبی زبان اس وقت فارسی ہی مانی جاتی تھی لیکن دورِ مظہر میں فارسی زبان و ادب کو بہت نمایاں طور پر ترقی ہوئی۔ مغلوں یا تیموری حکمرانوں و شہزادوں اور امراء کے زیر سرپرستی فارسی زبان میں جو سرمایہٴ نثر و نظم وجود میں آیا اس کا اسلوب و انداز ایرانی اسلوب و انداز سے مختلف تھا۔ چل سندی اور سہل انگاری کی جگہ مشکل پسندی اور اغلاقی نے لیر لی تھی۔ تحریر میں تکلف اور مصنوع کی آمیزش ہو گئی تھی۔ نظم و نثر دونوں میں خیال پسندی اور مضمون آفرینی سے کام لیا جائے لگا۔ مضمون میں جدت پیدا کرنے کے لئے ابہام و تشبیہات و استعارات کا استعمال کثرت سے کیا جائے لگا۔ اور یہی طرزِ سببِ ہندی کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ اس نثری طرز کی ابتدا ایران میں ہو چکی تھی لیکن ہندوستان کی آب و ہوا اس کو خوب راسخاتی اور اہم ہند نے اس کو عروج پر پہنچا دیا اور یہ انداز تحریر صرف شعر و شاعری کے لئے ہی محصور نہ تھا بلکہ نثر بھی اس سے سوری طرح متاثر ہوئی۔

پچھلے باپ مہین ہم قدرے تفصیل سے ارسہک کیے ہمارے مہین بحث کرچکے مہین جو دور  
مناخرین کے لئے مخصوص تھا اور یہ کہتا غالباً "ہے جانہ ہوگا کہ غالب اور سہبائی اردور  
دے اور اس طرز کے بھی آخری دو اہم ترین نمائندہ شاعروں اور ادیبوں مہین سے تھے۔ اس  
موقع پر ہم کو چونکہ سہبائی اور ان کی طرز تحریر پر روشنی ڈالنا مقصود ہے اس لئے اب ہم  
اپنے اس مقصد کی طرف آتے ہیں۔ ان کے سب تحریر پر بحث کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے  
کہ پہلے ہم مختصراً ان کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں کچھ بتا دیں۔

سہبائی کی ولادت ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۲ء) مہین دہلی میں ہوئی اور ۱۲۷۸ھ (۱۸۵۷ء)

یعنی اکھاون ہوس کی عمر مہین انھوں نے اس دار فانی سے کو- کہا۔ ان کی موت قدر کے  
زمانے میں انگریزوں نے طاعون واقع ہوئی۔ موصوف کا سلسلہ ہمدردی حضرت عمر فاروقؓ اور  
سلسلہ مادری حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے پہنچتا ہے۔ کلیات جیسا کہ ان کی کلیات  
دے طامعہ و کلیات کے مولفان کے بارے میں ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں جس سے ان کے حالات  
زندگی پر کچھ روشنی پڑتی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کراہی خاندان کے چشم و چراں تھے۔

"مولانا شیخ امام بخش معانی متظہر سہبائی کہ ہر تو نسب امین

چشم و چراغ دودہ" شرافت مآب روشن قراں ماہ و آفتاب ست کہ

از جانبہ در بزرگوار حضرت عمر فاروق اکبر رضی اللہ عنہ میرسد و

از طرف مدد عالی تبار بجناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ می پہوند

و ظاہر ست کہ درین دورہ" اخیرہ مردی عالم باہن باصیت انواع علوم

عقلی و نقلی با در عرصہ وجود نہادہ۔"

مولانا سہبائی کے ہمساندگان میں انکے کئی فرزند تھے لیکن ان کے بارے میں ہم کو



کچھ معلومات نہیں ملتی ہیں۔ ان کے بڑے بھائی مولانا سوز تو خود ان کے ساتھ شہید ہوئے۔  
 مولانا قادر علی صاحب مولانا سہبائی کے حقیقی بھائی تھے جو سہبائی اور ان کے بھائی کی  
 شہادت کے جنم دید گواہ تھے۔ سہبائی نہایت متکبر المزاج اور بااعمال تھے۔ عمر واد  
 میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے باوجود "انا" نام کی کوئی چیز ان پر اندر نہ تھی۔

سہبائی کی تعلیم و تربیت کے بارے میں تفصیل تو نہیں ملتی مگر تمام تذکرہ نگاران  
 نے علم و فضل کے معترف ہیں اور خود ان کی تالیف سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ سہبائی  
 نے استاد عبداللہ خان علوی مشہور فاضلہ میں پڑھے۔ سرسید نے آثارالمنادید میں  
 ان کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔<sup>۱</sup> جس سے ان کی عربی و فارسی کی مہارت و ان کے  
 علم و فضل نیز انتاب برداری، ان کی قدرت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ ایسے علامہ روزگار  
 ہم کی ناکردی تھے سہبائی کی ایسی علمیت و قابلیت میں جا رہا تھا کہ لگا دئے اور وہ (سہبائی)  
 و خود زبردست فطری ملاحظتوں کے مال تھے، اس اعلیٰ مرتبہ و مقام پر پہنچ گئے جو  
 اعتراف اس عہد کے بڑے بڑے علما و مشاہیر فن نے کیا ہے۔

پہلی ایچے مضمون "سرسید مرحوم اور اردو لغت" میں سہبائی کو سرسید کی  
 سوانحی کا ایک بڑا رکن تسلیم کرتے ہیں ان کا بیان ہے۔

"سرسید کی جرمانہ میں نہ تو تھا کوئی دلی میں اہل کمال کا مجمع تھا  
 اور امرا اور رؤسا سے لئے کرا دئیے تھے نہ میں علمی مذاق پہلا  
 ہوا تھا، سرسید جس سوانحی کے صبر تھے اس کے بڑے ارکان  
 ملتی مدد والد بن خان آردہ، مرزا غالب اور مولانا سہبائی تھے،  
 ان میں سے ہر ایک تصنیف و تالیف کا مال تھا....."

۱۔ آثارالمنادید ص ۱۳ تا ۱۴  
 ۲۔ مقالات پہلی (جلد دوم) ص ۲۷

ایسا اور یہ کہ پہلی اسیر اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

..... آثار السناد بد میں اکثر یہ کہ بعد ل اور شہوری کا رد نہ آتا ہے ..... اس کی وجہ یہ تھی کہ سرحد بنی راس دن کی صحبت مولانا امام بخش صہبائی سے رہتی تھی اور مولانا موصوف بعد ل کے امیر دلدادہ تھے کہ ان کا کلمہ پڑھتے تھے اور جو کچھ لکھتے تھے اسی طرز میں لکھتے تھے .....<sup>۱</sup>

سرحد نیز بھی ان کا شمار نامور استاذہ دہلی میں کیا ہے اور آثار السناد بد میں ان کا نمایان ذکر ہوا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

”اسیر و زمان میں اسی اصیت کے۔ تہ کم کوئی نثر سے گزرا ہے اور صرف یہ ہے کہ فنون متعارفہ سخنوری مثلاً تحقیق لغت و اصطلاحات زبان دری اور تدقیق مقامات کتابی اور تلمیح عربی و فارسی و استعمال فن مسجع و غیرہ میں ایسا مثال بہم پہنچایا ہے نہ ہر فن میں ہدفی کہنا چاہیے۔“<sup>۲</sup>

نبی امام بخش صہبائی ابتداً اعلیٰ شاعر ہی نہیں بلکہ اپنے زمانے کے مشہور انشا پرداز و ادیب اور عظیم شاعر بھی تھے۔ انھوں نے ابتداً مختصر فارسی دیوان اور اس کے علاوہ نثری تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن سے فارسی زبان میں ان کی مہارت اور علمی تہا تبھرنا انداز بخوبی ہوتا ہے۔

ان کا شمار اپنے زمانے کے مشہور شاعروں اور ادیبوں میں ہوتا تھا جیسا کہ غالب نے ان اعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ مقالات پہلی (پندرہم) ص ۵۸

۲۔ آثار السناد بد، ص ۳۱

ہند را خود نفاذند سخنور کہ بود

باد در طوطیان و صف فغان از دم فغان

مومن و نیر و صہبائی و علوی وانگاہ

حسرتی و اعرف و آزرده بود اہل فغان

غالب سوختہ فغان گرچہ نیرزد ہشمار

ہست در ہرم سخن ہمنفس و معدم فغان

فارسی زبان جانیہ والوں میں ان کا انتظام اعلیٰ مقام تھا اور وہ فارسی کے ذہنی بڑے

استاد سمجھے جاتے تھے اس کا اندازہ اس واقع سے ہوتا ہے جو علامہؒ میں دلی کالج میں فارسی

پیر استاد کی تقریر کے وقت آیا ۔ اس موقع پر انگریزی حکومت نے سکرٹری مسٹر ٹامسن

پر استفسار پر مفتی درالدین آزرده نے یہ کہا تھا کہ " ہمارے گھر میں فارسی کے استاد

صرف تین شخص ہیں ۔ ایک مرزا نوعہ ( یعنی غالب ) دوسرے حکیم مومن خان و اور تیسرے

امام ہند صہبائی ..... "۔

آثار استاد ہند کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دہلی بڑے بڑے علماء و

حنفا اور عمرا کا مرکز تھی یہی مولانا فضل امام و مولانا فضل خیر آبادی و

مولانا معلوت علی و حکیم احسن اللہ خان و مومن و ذوق غالب و نواب ضیاء الدین نیر و

علوی و صہبائی و آزرده و شیخہ و علی نذیر احمد و آزاد و غیرہ جن کا شمار

اہلین فن میں ہوتا تھا ۔ صہبائی اسی علمی طبقہ کے ایک ممتاز اور اہم رکن تھے اور ان نے

ان متاخر فن میں سے اکثر سے خصوصی تعلقات تھے ۔

اس میں یہ نہیں کہ صہبائی علم و فضل کے اعتبار سے امتیازی مرتبہ کے حامل تھے

بالخصوص فارسی زبان اور اس کے مختلف علوم و فنون پر عبور تام رکھتے تھے یہی وجہ ہے

یہ غالب ہے۔ سود پسند ناعر یہ بھی اکثر گہ ایلیہ خلوت میں مفتی آزدہ کیے ساتھ سہائی  
 کا ذکر بھی کیا ہے اور انہیں اچھے متذکر ہم عمروں میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کے  
 متذکرہ بالا اشعار سے ظاہر ہے۔ سہائی کے علم و فضل کے بارے میں ان کے عہد کے مشہور  
 ادیب اور شعرا کی رائے کیا تھی ذیل میں ہم امر کا ذکر کریں گے۔  
 ڈاکٹر مولوی عبدالحق کہتے ہیں۔

”مولوی امام بی سہائی مددِ سرِ فارسی اپنے وقت کے بہت بڑے فارسی ادیب  
 تھے۔ مسند اور ناعر بھی تھے۔ ان کی کتابیں نصابِ تعلیم میں داس  
 تھیں، ان کی تصانیف اب تک پڑھی جاتی ہیں شہر میں ان کی بڑی عزت تھی۔  
 عدوہ فارسی کی مشہور تالیفات کے اردو سرف و نحو پر بھی ایسا اچھی کتاب  
 لکھی ہے.....“

سہائی کے عہد کے مولوی کریم الدین اچھے تذکرہ میں سہائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں  
 ”فارسی میں بڑی دست قدرت رکھتے ہیں ہمارے زمانے میں قلیل فارسی سے  
 مثلاً ان کے کوئی ماهر نہیں .... تمام کتب فارسیہ پر عبور ہے، کتب عربیہ  
 میں سے صرف و نحو اور معنی و منطق بھی جانتے ہیں مگر بجز فارسی کے اردو  
 شعر نہیں لکھتے.....“

نواب صدیق حسن کی رائے سہائی کے بارے میں ہے۔

”در فنون و علوم رسمی ہایہ بلند دانت و در فارسی دانی و مہارت  
 در کتب این زبان منصب اربمند، در وقت خودی در دہلی  
 بی نامہ زمان می زیست و تہذیب و آثار و امرا دارالخلافت حضرت و اہرام

۱۔ ”مرحوم دلی کالج“ م ۱۵۲  
 ۲۔ طبقات شعرائے ہند (مع تعلیقات از سید شاہ علیہ الرحمن علی کاشفی) م ۲۶ و ۲۷

بسمی برد .....!

منہور مستغرق ہر نفس گارن د تالی لہتے ہیں۔

”امام بختاری سہبائی ہر نفس د تالی گال ہیں۔ یہ فارسی کے بہت بڑے

استاد مانیے جانیے ہیں .....!“

فارسی زبان و ادب پر ان کو بہت سی قدر حاصل تھی اور ان کی شہادت ان کی شاعری بھی ہے

اور شعر نگاری بھی۔ ان کے آثار شاعری میں ایک مختصر مجموعہ\* ظلم ہے جو سب مناظر میں

نی نمایندگی کرتا ہے اور عہد میں غالب اور مومن کے بعد سرف سہبائی ہی اسے شاعر تھے

و فارسی شعر و شہر میں عالمانہ مہارت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ چونکہ اردو میں روز بیدل

کا عام چرچا تھا اور بیدل کی طرز فکر سے غالب بھی متاثر ہوئے تھے۔ شاعر بھی متاثر ہوئے بغیر

نہ رہ سنا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

آہنگ اسد میں نہیں جو نغمہ\* بیدل

عالم حمد افسانہ\* ما دارد و ماہی

یا

اسد مر جا سخن ہے طرح باج تازہ ڈالی ہے

مجھے رنن بہار آبادی بیدل سند آہا

چنانچہ اگر سہبائی نے بھی بیدل کی جیروی میں ان کی علمی و ادبی کا وعون تو پایا۔

تسمین نہ پہنچا یا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اس خیال کی تائید حالی نے قول یہ بھی

موتی ہے۔ ”سہبائی اور علوی مرزا بیدل کا تتبع کرتے تھے“۔ ان کے کلام میں بیدل

کی اثرات کی موجودگی پر باوجود ان کی انفرادیت اور جگہ ناف نہر آتی ہے۔

۱۔ مجمع النہج، ص ۲۱۲، مطبع ناہیانی

۲۔ خطبات گارسان د تالی، ص ۹۵

۳۔ یاد گار غالب (حصہ فارسی)، ص ۲۲۱

کلیات میں جو ان نے عزیز فاروق منشی دین دیال و میر منشی ایجنسی بھوپال نے  
۱۹۹۲ء میں نواب محمد یحییٰ خان اور صہبائی کے نام گرد مولوں محمد حسین میر (نام عدالت  
اندور) کی تصحیح کے ساتھ ترتیب دیا تھا اس میں ان کے عمری و سیکسے صفحہ ۲۲ سے  
صفحہ ۲۹۸ تک پھیلا ہوا ہے کلام کی ترتیب یوں ہے۔

(۱) غزلیات — ۶۱

(۲) قطعات — ۶

(۳) ابیات (غزلیات) — ۴

(۴) رباعیات — ۱۲

(۵) چند قطعات اور ایک مفسر جو چھ ہند ہون پر مشتمل ہے۔

ان کی قدرت کلام و بیان کا اظہار زیادہ تر فارسی میں ہی ہوا ہے۔ دو کتابوں  
یعنی قواعد صرف و نحو اردو اور میر عمرالدین قلندر کی تصنیف حدائق الہیات  
کا اردو ترجمہ کے علاوہ ان کی ساری تالیفات فارسی میں ہیں۔ صہبائی کی نثری تفارقات  
میں علمی کتابیں اور رسالے شامل ہیں۔ بے رسالہ نحو فارسی۔ تفارقات بھی ہیں اور  
مذہب بھی۔ انہوں نے ماکے بھی تصنیف کیے ہیں اور دیباچے اور طعنے بھی لکھے ہیں۔  
ان کتابوں یا رسالوں کے موضوعات اکثر و بیشتر تخلیق لغات عربی و فارسیہ و دستور زبان  
فارسی و مصطلحات و مطاورات اور غزل الامثال و معنیات اور علم صرف و فن بدیع ہے  
متعلق ہیں۔ فن معانی میں صہبائی کو خصوصیت کے ساتھ درجہ خاص تھا جس کی وجہ سے وہ  
معانی کہلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی تالیفات ان عربوں پر مبنی ہیں جو انہوں نے مختلف  
امانڈہ \* فن کی تعریف پر لکھی ہیں اور جن کا ذکر ان کی تصانیف کی تفصیل کے ضمن میں  
آئے گا۔

تالیف -

- کلمات کی پہلی جلد میں جو ان کی عزیز شاکرود منشی دین دیال فی ٹوہ اور توجہ اور ان کی دیباچہ کے ساتھ ۱۲۹۵ھ - ۱۲۹۶ھ ( ۱۸۷۸ء یا ۱۸۷۹ء ) میں مطبع نسیمی کانپور میں چھاپا تھا سہبائی کی مدد پر ذیل تصنیفات شامل ہیں -
- ۱- ریزہ \* بواہر مع فرہنگ ہلوز سے نشر ظہوری در مدح سرا الدین بہادر شاہ ( ج ۱ تا ۵۲ ) -
  - ۲- بیانی عیون پیام ( ج ۵۳ تا ۶۸ ) مشتمل ہر مکاتیب و رفعات و تقاریر ہ دیباچہ ط و عوائیم رسائل و نشر طای مطلق ہلوز بیدل -
  - ۳- رسالہ در نحو فارسی ( ج ۶۳ تا ۶۶ )
  - ۴- دیوان سہبائی ( ج ۶۷ تا ۶۸ )
  - ۵- کافی در علم قوافی ( ج ۶۹ تا ۷۲ ) در علم قافیہ و شرح حروف وغیرہ
  - ۶- وافی ( ج ۷۳ تا ۷۵ ) شرح کافی
  - ۷- رسالہ گنجینہ \* رموز ( ج ۷۶ تا ۸۱ ) در صنعت معما و در حدائق اعیان آن
  - ۸- رسالہ واہر منہوم - تاریخ اتمام ۱۲۵۱ھ ( ج ۸۲ تا ۸۷ ) مجموعہ رباعیات است کہ از ہر رباعی نامی از خود و نہ نام باری تعالی ہر می آید -
  - ۹- سلمہ معنائی ( ج ۸۸ تا ۹۶ ) در صنعت معما -
  - ۱۰- مخزن اسرار ( ج ۹۷ تا ۱۰۱ ) در صنعت معما
  - ۱۱- رسالہ نادیرہ ( ج ۱۰۲ تا ۱۰۹ )
  - ۱۲- نثار افکار ( ج ۱۱۰ تا ۱۱۳ ) در حل اشعار و رباعیات قدما \* -
  - ۱۳- رسالہ خواص سخن ( ج ۱۱۴ تا ۱۱۶ ) فارسی فی نادیر اصطلاحات مع حد معانی -
  - ۱۴- رسالہ اعلا الحق ( ج ۱۱۷ تا ۱۲۰ ) رفع اعتراضات است کہ سرا الدین علی خان آرزو در رسالہ احقاق الحق ہر علی حزمین کردہ است -

کلیات سہائی کی دوسری جلد منمولہ حصہ اول و دوم جداگانہ مطبع نولکھور لنکھو  
 ۱۸۷۹ء۔ ۱۸۸۰ء ( ۱۲۹۶ھ ) میں چھپ گئی۔ حصہ اول سے نثر پوری از نورالدین صہری  
 و میثا بازار ہ۔ ہد رقعہ از ارادت خان واضح اور مہتمم عاداپ از پھر ای تفریحی کی عروج  
 پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں حسب ذیل آثار عامل ہیں ان دونوں میں کئی اور ای و صفحات  
 ملس نہیں بلکہ ہر تصنیف کیں صفحات جداگانہ ہیں۔

۱۔ شرح حسن و عی ( تصنیف نعمت خان علی عالی )

۲۔ شرح معانی نسیم حمدانی

۳۔ شرح معانی جامی

۴۔ حل مقامات رسالہ عبدالواسع طابوی

۵۔ رسالہ مناقبات حسن۔ اس رسالہ کی حیثیت بیجاہر ای۔ علی مناقب سے ہے۔

۶۔ رسالہ قول فیصل۔ در واپ رسالہ تنبیہ الغافلین و تصنیف خان آرزو بطور

مطالعہ در ارتقا جہ و قدح خان آرزو بہ کلام شیخ علی حزمین۔

۷۔ رسالہ قواعد صرف و نحو اردو

۸۔ ترجمہ اردو حدائد البلاغتہ

۹۔ محضر پر غزل قدسی و تقریباً دیوان حافظ شیرازی۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کلیات میں کچھ پر بھی حل مقامات جواہر الحروف اور

شرح مختصر جواہر الحروف ( از چند بہار ) کا متن ہم تو نہیں ملتا البتہ جلد اول

کے صفحہ ۱۰۱ اور صفحہ ۱۰۹ پر ان دونوں میں کچھ دیباچوں کے عنوانات بالترتیب اس

نثر ملتے ہیں۔

۱۔ دیباچہ شرح مختصر جواہر الحروف ( ۱۰۱ )

۲۔ دیباچہ حل مقامات نسخہ جواہر الحروف۔ چند بہار



سہائی نے حد مقامات "واہر الحروف" کا ذکر اپنی کلمات میں کیا ہے اور اسے  
 امر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نام کا ایک رسالہ "مقدمات" تحریر کیا تھا جس کی حیثیت ایک مضمون  
 سی ہے۔ یہ نشر پوری کی طرح میں ایک بحث کے سلسلے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "..... واپس  
 را در رسالہ حد مقامات "واہر الحروف" بتفصیل نوشتہ اند۔"

سہائی کی تصانیف کی بحث کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ  
 مرزا قادر بخش ماہر کا تذکرہ گلستان سخن کو بھی ان کی تصنیف خیال کیا جاتا ہے لیکن  
 در حقیقت یہ صحیح نہیں ہے۔ "ناب امتیاز علی خان عری (مرحوم) نے تذکرہ دستورالطباع  
 میں تدوین میں سلسلہ "ذکر گلستان سخن" بات کی قطعی سزا دے دی ہے کہ یہ سہائی کی  
 تصنیف نہیں ہے۔"

در حقیقت شاعری سے زیادہ سہائی فارسی نشر نگاری میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے  
 وہ "ابھا" "سادہ" نویسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اردو میں چونکہ انشا پردازی  
 اور مشکل کوئی کا عام رواج تھا اور مرصع مسجع اور ہر تکلف نشر لکھنے کی رو عام تھی  
 اس لئے نہ صرف "ابھا" بلکہ تقلید اس کا بھی انہوں نے ہر تکلف اور مرصع نشر کے نمونے پیش کیے  
 فارسی تصانیف میں تراکیب کی قدرت و تناسب لفظی و مترادفات و مسجع و ترصیع اور اس  
 قسم کی دوسری فنی خصوصیات اور صنایع کا استعمال اردو میں عام تھا۔ تحریر اور  
 عبارت کا یہ انداز خصوصی صرف مکاتیب و مراسلات اور تقاریر وغیرہ کے لئے مخصوص نہ تھا  
 بلکہ دیگر علوم مثلاً تاریخ اور سیرت بھی اس سے متاثر تھے چنانچہ غالب اور سہائی نے  
 در میں عام نصاب تعلیم کی کتابیں بہتر متاخرین کی ان آثار و تالیفات پر مشتمل ہوتی تھیں  
 جن میں اشعار و اغلاط و ترصیع اور تقلید لفظی و معنوی جیسے عناصر غالب طور پر ملتے  
 ہیں مثلاً "انتائے ابوالفضل" "سہ نشر پوری" "رقعات ہمدل" "انتائے ملا ظاہر وحید" وغیرہ۔

اگرچہ سہائی کے سامنے انٹا ردازوں کی مربع نثر نگاری کے مختلف نمونے موجود تھے لیکن انہوں نے اس میں سے شہری اور بیدل کا انتخاب کیا اور ان کی نثر سے وہ خصوصی طور پر متاثر ہوئے ان کی نثر میں ہم، شوہری اور بیدل کا رنگ ہی زیادہ نمایاں ہے۔

دراست سہائی کی انٹا بردازی کا خاکہ گاران کی مشہور تصنیف ”ریزہ“ جواہر \* ہے۔ یہ شہری کی انٹا \* کی جگہ، طاف نثر آتی ہے۔ سہائی کی نثر کا مربع، مسطح و مقلی انداز ہی اس کی نثر کی بنیادی خصوصیت ہے۔ سہائی اکثر بھراکراف کی ابتدا طویل سطروں سے کرتے ہیں لیکن بعد میں وہ مختصر سے مختصر تر ہوتے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے افعال بھی حذف کردیتے ہیں اس کے عوض وہ عبارت میں دوسرے سلاخ لفظی و معنوی کا التزام بھی کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے، ان کو فارسی زبان پر اتنی قدرت حاصل تھی اور یہ کہ علم بیان و کلام سے اتنی واقفیت رکھتے تھے۔

نئی نئی تراکیب کا استعمال بھی سہائی کی نثر کی خصوصیت ہے نہ صرف ”ریزہ“ جواہر بلکہ اپنی دوسری تخلیقات میں بھی نئی نئی تراکیب وضع کیں جن میں شگفتگی کے ساتھ ساتھ نہایت ہی ملتا ہے۔

ذیل میں ہم چند مثالیں دے رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی طرز تحریر کے مالک تھے۔ اور ان کی نثر میں نئی نئی تراکیب کا استعمال کس خوبی سے کیا گیا ہے۔

”..... بعض ازان غارہ طرز خاص راقم پرورد ارد و بعض ہوش د بگر سرار چیب ظہور ہرمی آرد ابتدا حاصل غور تامل پھر زبان جوہر نگاہ چہ خواہد بود و نتیجہ صرف اوقات غیر از نامہ ساجھیا چہ خواہد نمود و غم ہی اعتباری عاقبت حروف را ہنم عرو گ میگرداند حیرت وضع این

عطا در لغز بای نگاہ ہی اعتبار ست .....۱

..... ۱ آفرین روزی گرمیای عشق شرابی در سینه زار آبله دل نہ انداختہ کہ اگر ہای داغ دل تا سہنہ ہرم نہند - و نہتہ روزی دور محبت نہکدانی ہرچہ طہ نہکستہ کہ عور عندہ \* رحم ہلاج گری گوی نہ نہند خامہ را ہوسلہ تحریر این غزل آہی از درد محبت ہر لب آوردن ست۔ وار آوار سر ہر نالہ بہتا ہی عشق در ہزل پروردن .....۲

..... ۲ مودہ دولت دیدار رعتہ نگاہ را ہاسوزن مژگان ہمودی ندادہ کہ بستن دیدہ ہم از نہتہ انتظار خالی تواند گذاشت۔ و نہد عادت دوم گوی محبت نہور را ہوزمہ انداختہ کہ کہنیت مجوم محبت نالہ عکایت فراوان را نزار عالم ذوی جان طرب نتواند پنداشت .....۳

..... ۳ مناطہ عامہ ہمدار غار پردازی عائد این مقاصد دلچسپد و گنگونہ طرازی روزی مددہ اینتہالب ارجمند ہجلوہ دی عروس این التماس مجلس طراز ارہاب کمالیت کہ ہرچہ خواہش این معما با عادت توضیح و وقائد این سر مور ہمد گاری تلفیح زہور بہان ہوعیدہ و مجملات بدستاری نظم و مہبط تہرپای مردی تفسیر لہاس شرح در ہرکتہہ .....۴

علمی اوراد ہی مسائل اور زبان و لغات اور قواعد کی مسائل ہر ان کو ہوری طرح عبور

۱۔ کلیات مہبائی ص ۵۳

۲۔ ایضاً ص ۶

۳۔ ایضاً ص ۲۱۴

۴۔ ایضاً ص ۴۰۳

حامل تھا وہ لسانی اور لغوی علوم کے بحر بہکراں کے خواص بہ و عطا اور بھی تھے نہ صرف یہ بلکہ وہ استاد فارسی کے آثار و تصانیف پر گہری نگاہ بھی رکھتے تھے۔ جگہ جگہ بطور سند اور مثال بلا تکلف اعمار وغیرہ سے عواہد پر عواہد بھڑکرتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ذہن رسا کی بدولت عرصہ و ادب کے لطیف و دقیق نکات کو حل کرنے میں ان کو ملکہ حامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے میدان ادب میں فنِ شرح نگاری پر خصوصی توجہ دی اور اس کو ادب میں اہل اعلیٰ مقام دلوایے ہیں حتیٰ الامکان کوثر کی۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ وہ استاد فارسی کے آثار پر گہری نگاہ رکھتے تھے چنانچہ ان کے علم میں وہ تمام ادبی شاخیں (شاخوں) تھیں جو کہ اس دور کے متنبی طلباء کے دہر و نماپ میں شامل تھیں جیسے اور جس کا سمجھنا کسی استاد کی مدد یا شرح دیر بغیر مشکل تھا چنانچہ انہوں نے اپنے لئے میدان ادب میں ایک اور نئی راہ نکالی اور دنیائے ادب میں ایک تاریخ کی حیثیت سے انہوں نے اپنے آپ کو روغنِ کراہیا اور گویا اس کے متخص قرار پائے۔ کبھی ہی لطیف اور دقیق خیال یا نکتہ کہوں نہ ہو اس کی تہہ نہ وہ لسانی سے پہنچ جاتے تھے۔ فی الواقع علم لغت و علم بیان اور قواعد کے اصولوں سے واقفیت کی بنا پر ان متون کی شرح نویسی ان کے لئے سہل ہوگئی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ محاورات، امثال و حکم اور تلمیحات پر بھی ان کو عبور حاصل تھا۔

در اصل صہبائی ایک جدت طراز انشا پرداز تھے۔ میدان انشا پر داری میں انہوں نے تاجراہ عام سے ہٹ کر اپنے لئے ایک الگ اور نئی راہ نکالی جس پر چلکر انہوں نے اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور اپنے لئے ایک اعلیٰ مقام بنالیا۔

ہا ہسوم

سہاٹی کے طرز ادا \* پر ظہوری کے اقوات

## باب سوم

### سہبائی کے طرز انشا\* پر ظہوری کے اثرات

اگرچہ قبل کہ ہم سہبائی کی نثری تصنیفات پر ظہوری کا اثر و کیے سلسلے میں بحث کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو دور کی ساجی و ثقافتی تبادلات میں خصوصیات کے بارے میں مختصراً بیان کر دیا جائے۔

معدہ وستان میں مغلیہ سلطنت اور اس کے قبل سے فارسی زبان میں حکومت کی زبان رہی ہے یہاں تک کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے دور میں بھی جو فارسی زبان و ادب کا دور زوال بھی تھا وہ فارسی زبان تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ روز مرہ اور گفتگو کی زبان ایک نئی ابھرتی ہوئی زبان یعنی اردو بن چکی تھی اور اردو زبان بچپن سے شاعری بھی ایک مقبول عام روایت بن چکی تھی لیکن اس وقت بھی فارسی زبان پکڑے ہوئے نہ ہوئی تھی بلکہ اردو کے عام بھانہ چل رہی تھی لیکن اس وقت ارتقائی زبان اردو کے اردو دور میں بھی اردو زبان فارسی میں تصور ہوتی تھی اور علمی زبان کا درجہ اس کو اس وقت بھی حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ اردو دور کے اکثر شعری و نثری کارنامے ہم کو فارسی زبان میں ملتے ہیں۔ اردو دور کے اکثر مشہور و معروف شعرا اردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں عمر بھر کا اعتبار سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ نہ صرف غالب نے فارسی دیوان (جس پر ان کو ناز تھا) اور کچھ نثری تصانیف یادگار چھوڑی ہیں بلکہ اردو دور کے کچھ دوسرے معروف شاعر وادیب جیسے مومن و آرزو و عینقہ و علوی و اور سہبائی نے بھی اپنی فارسی تصانیف اور کارنامے یادگار چھوڑے ہیں۔ سہبائی اردو دور کا تنہا ایسا شاعر ہے جس نے اردو زبان کے مقبول عام ہونے کے باوجود اس زبان میں عمر بھر کچھ یا کچھ لکھا اپنی کسران

صیحا اور فارسی کو ہی ذریعہ زبان بنایا ۔

سنگوین اور انکاروین سد ی مین عند وستان مین جتنے فارسی عصر واد پب تھے اتنے ایران مین نہین ملتے ۔ ایران مین صفوی دور فارسی شاعری کے اعتبار سے زوال پذیر دور رہا ہے ۔ اگرچہ کسی دور کے زوال اور اس کے دور کے ادب کے زوال سے کوئی تعلق نہین ہے یعنی یہ ضروری نہین کہ کسی حکمران کا دور حکومت اگر رو بہ نزول ہے تو اس عہد کا ادب بھی نرما ۔ زوال پذیر ہوگا بلکہ اس کے برخلاف دیکھنے مین یہ آیا ہے کہ زوال پذیر دور مین عصر وادب کو کچھ زیادہ ہی فروغ ملا ہے ۔ جیسے تیموری دور سیاسی اعتبار سے افرائیزی اور ہنگاموں کا دور تھا لیکن عصر وادب کے اعتبار سے وہ دور انتہائی عروج کا دور کہلانے کا مستحق ہے ۔ چنانچہ سہبائی کا دور بھی اگرچہ مظہر شان و شوکت کے زوال کا دور تھا لیکن عصر وادب کے اعتبار سے اس کی اہمیت نمایاں رہی ہے ۔

مغل دور کی ابتدا سے لے کر زوال مظہر شک کا عہد ادب ہی اعتبار سے "سہکندی" کہلاتا ہے ۔ جتنے فارسی شاعر اور ادیب عند وستان مین پیدا ہوئے یا باہر سے آکر یہاں حکومت اختیار کرلی وہ سب سہکندی کے اعتبار کرنے والے تھے ۔ سہکندی کے ماننے والے فارسی شاعر اور نثر نگار کی خصوصیات منفک کوئی نہ لفظ سخی نہ نکت پسندی نہ مبالغہ آرائی نہ مضمون آفرینی اور تشبیہ و استعارہ اور ابہام کا کثرت سے استعمال تھیں ۔ اس دور کے ادب کی خصوصیات مین سب سے <sup>زیادہ</sup> عنصر تصنع کا ہے نہ صرف خیال بلکہ زبان مین بھی تصنع پایا جاتا ہے ۔

مغل عہد کے دور آخر مین اگرچہ قصیدہ گوئی تقریباً "مٹوٹ" تھی اور غزل کوئی زیادہ مقبول ہو رہی تھی لیکن غزل مین بھی جو زبان استعمال کی جاتی تھی وہ پیچیدہ

تعمیلی اور استدلالی ہوتی تھی جبکہ غزل خالص رومانیت اور غیر فلسفیانہ مضامین کی چیز ہے اس میں فلسفیانہ خیالات و ابہام اور پیچیدہ مضامین سے خیالات اور افکار کا دائرہ ضرور وسیع ہو گیا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غزلین والہانہ اور سرخوشی میں گالیے والی چیز سے زیادہ قاری سے غور و فکر کا مطالعہ کرے لیکن۔ مثال کے طور پر ہمدل و ناسر علی اور غنی کی غزلوں میں تردید کم ہے اور تفکر زیادہ۔

فارسی شاعری کی طرح فارسی نثر میں بھی مشکل زبان کا استعمال کیا جاتا تھا۔ نثر مسجع و مقفح ہوتی تھی۔ سپہ نثر شہوری و ہمدل کی تصانیف چار عنصر اور رفعت ہمدل و انصاف ملاحظہ و حد و انصاف ماد ہورام و وغیرہ اس طرز نثر نگاری کی نمائندہ اور بے مثال مضامین ہیں۔ اس نوعیت کی تصانیف کی تعداد بہت ہے لیکن ہم نے یہاں ابھار و اختصار کے خاطر چند ہی کیے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہر دور کا ادب اس دور کی سیاسی و سماجی و اور ثقافتی خصوصیات کا عکاس ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر عہد کے ساتھ اس عہد کے ادب کے مزاج میں بھی تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ چون چون انسان کا ذہن ارتقائی منازل طے کرتا جاتا ہے اسی طرح ہر دور کا ادب بھی وقت کے ساتھ مختلف مدار طے کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سامانی دور اور غزنوی دور کے ادب میں مادہ خیالات اور طبعیات و مادہ انداز بیان عام تھا لیکن غزنوی عہد سے اس میں کچھ تبدیلی آنا شروع ہو گئی یعنی قصیدہ نگاری کی روش کا آغاز ہو گیا اور سلیبوتی دور میں قصیدہ نگاری کا چلن ابھی عیاں پر تھا۔ قصیدہ نگاری کے نشیے جن خصوصیات کی ضرورت تھی وہ تعین و وقت خیال و ہندسہ مضمون کی جتنی و صفا و وغیرہ۔



پھر ہم دیکھتے ہیں کہ منگولوں کے دور میں قبیہ و نگاری کی روئی آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور اس کی جگہ غزل لیے لیے لی۔ اور غزل میں تصوف و اخلاق کے مضامین بیان کئے جانے لگے چونکہ غزل کی روئی عام ہو گئی اسی مناسبت سے زبان و بیان میں لطافت و رت خیال اور تغزل پر زور دیا جانے لگا۔ ادھر ہندوستان میں تیموریوں کے عہد میں یہ خصوصیات اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔

ہون ہندوستان میں اس سے قبل بھی فارسی شعر و ادب کا بہت چرچا رہا تھا لیکن  
 تیسویں صدی کے عہد میں ان کی سرپرستی اور بڑے انتہا دلچسپی کے باعث فارسی شعر و ادب  
 کی مقبولیت انتہا کو پہنچ گئی تھی اور جیسا کہ مولانا غزالی فرماتے ہیں۔  
 • شعر کی تاریخی زندگی میں یہ واقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان

۱۰۔ شعر کی تاریخی زندگی مبینہ واقعہ یا درکھنا چاہئے کہ ہندوستان  
میں آکر فارسی شاعری میرا ایک خاص جدت اختیار کی ہے۔

(عمر العبد)

اور یہ جدت بھی خیال بندی و مخمون آفرینی و وقت فکر و پیچیدگی خیال تراکیب جدید و جدت تعبیهات اور نزاکت استعارات کا استعمال۔ آگے چل کر یہ اسلوب غمر و سخن ”سہک ہندی“ کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک اور جگہ شبلی فرماتے ہیں۔

• متاخرین کا یہ خاص انداز ہے کہ جو بات کہتے ہیں پہچ دیکر کہتے ہیں • یہ پیچیدگی زیادہ تر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جو خیال کسی شعرون میں ادا ہو سکتا ہے اس کو ایک شعر میں ادا کرنے میں ..... کہیں یہ پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ کوشی مبالغہ یا استعارہ یا تشبیہ نہایت دور از کار ہوتی ہے •

نثر و سخن کی یہ خصوصیات جو سبکِ ہندی کے نام سے جانی جاتی ہیں ان کا اطلاق صرف نثر و شاعری پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اردو کی نثر بھی ان خصوصیات سے متاثر ہوئی جیسا کہ ظہوری اور بیدلؒ جو اردو کے مشہور اور اہم شاعر و ادیب تھے کی نثری تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسرے شاعر و ادیبوں کے علاوہ سہبائی بھی جو اپنے زمانے کے فارسی کے قابل اور مافیہ ہوئے استاد سمجھے جاتے تھے ان دونوں اساتذہ کی نثر تحریر سے متاثر نظر آتی ہیں۔

سہبائی نے نہ صرف ظہوری کی سبہ نثر کی شرح لکھی بلکہ اس کی طرز پر اپنی ایک کتاب بنام ”ریزہ“ جواہر لکھی جس کا انداز بالکل سبہ نثر سے ملتا جلتا ہے۔

سبہ نثر ظہوری و راجل تین دہاؤں کے مجموعے ہیں۔ زمانے کی دستبرد دیر مآتوں یہ دہاویہ اصل کتاب سے الگ ہو گئی اور اتفاقاً ایسا ہوا کہ وہ اصل کتابیں تو گمنامی میں بڑکر چشمِ عالم سے روپوش ہو گئیں لیکن یہ دہاویہ اپنے مصنف طرز کی بنا پر زندہ و جاوید ہو گئی اور جون جون زمانہ گزرتا گیا ان کے جوہر کھلتے گئے۔ چنانچہ سبب وہ ایک ساتھ مدون و مطبع ہوئے تو ان کا مجموعی نام سبہ نثر قرار پایا۔ سہبائی کی نثری تصانیف میں ”ریزہ“ جواہر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ نثر

سبہ نثر ظہوری کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ ”ریزہ“ جواہر کو سہبائی کا اہم ترین کارنامہ کہا جاسکتا ہے جس کے ہر فقر اور عبارت پر ظہوری کی انفا برداری اور اس کے اسلوب تحریر کا اثر پایا جاتا ہے سرمد اس زمانے کے باریے میں لکھتے ہیں۔

”ایک نثر صحنی بہ ریزہ جواہر سلطان عہد والی عمر محمد سراج الدین

بہادر شاہ علیہ اللہ ملکہ و سلطانہ کی مدح میں اس آپ و تاپ کیے  
 سائنہ ریختہ قلم تراکت رقم کی ہے کہ اگر رشک و حسد ہم عہد ی  
 چشم پوش نہ ہو تو اسکی جلوہ گاہ میں نہ نشر ملا نورالدین ظہوری  
 کو مرگور بردہ \* عطا سے جلوہ گر نہ کریں اور ظہوری کو اس کی عہد  
 میں خطائی بنادین۔ (آثار الصلاد بد)

ابتداء میں سہائی اپنی تحریر کو اعلیٰ نوعی حضرات کیے لئے تعلقہ بناتا ہے اور  
 کہتا ہے کہ اس تحریر سے میرا مثلاً ایسا تمعارف ہے۔ خدا کی حسد و نعت کیے بعد وہ  
 مطالعہ نیز تصنیف و تالیف کی اہمیت کو بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آہل کیے نامساعد  
 حالات و دنیا کی ناقدری اور کس پیروی کی حالت میں اگر انسان کو کہیں سکون مل سکتا  
 ہے تو کتابخوانی اور عامہ چٹھائی میں مل سکتا ہے۔

ظہوری کی طرز انشاء کیے اثرات سہائی کی تحریروں میں کس حد تک پائے جاتے ہیں  
 اس کا اندازہ ہم کو ان دونوں کی تحریروں کیے مطالعہ سے بغویں ہو جاتا ہے۔ ظہوری کیے  
 انشاء کی بنیادی خصوصیت اس کی تحریر کا صریح و مسجع اور مطلق انداز ہے جو اس  
 دور کیے انشا کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ سہائی اگرچہ ظہوری کیے کافی بعد کا  
 ظاہر ہے لیکن فارسی انشاء واد سے اپنی دلچسپی و وابستگی کیے سبب وہ بھی ظہوری کیے  
 کیے انداز تحریر سے متاثر نظر آتا ہے اور اس کو اپنی تحریر میں بحیثیت اپنا لیتا ہے۔  
 چنانچہ سہائی کی تحریر کا انداز وہی صریح مسجع و مطلق انداز تحریر ہے جو کہ  
 ظہوری کا تھا۔

سہائی کی تحریروں میں ظہوری کی یہ تقلید ہم کو کئی ملاحون پر ملتی ہے۔  
 ۱۔ ظہوری اور سہائی دونوں کی تحریروں میں صفت مسجع کو کلیدی حیثیت حاصل ہے

غالباً " کوئی بھی جملہ یا فقرہ اس مخصوص انداز عبارت سے خالی نہیں۔

۲۔ نہ صرف صنعتِ سجع کا استعمال بلکہ اپنے مدد و حق کی تعریف اور ستائش میں د و نون اندازِ پردار لفظی و معنوی ربط و تعلق کا استعمال بڑی خوبی اور قادر الکلامی سے کرتے ہیں۔ ظہوریؒ کی بیرونی میں سہائی کے وطن بھی نثری حسن کے بعد عموماً " معنوی کے اغیار یا کہن کہن صرف ایک بہت یا رہا ہی ملتی ہے۔

۳۔ د و نون کے دجان طویل جملوں کا استعمال تحریر کی خوبی سمجھا گیا ہے۔ د و نون کے وطن بدراگراف کی ابتدا بڑے بڑے جملوں سے ہوتی ہے اور اختتام تک پہنچتے پہنچتے نہ صرف یہ کہ جملے مختصر سے مختصر تر ہوتے جاتے ہیں بلکہ اکثر ان کے افعال بھی حذف ہو جاتے ہیں۔

۴۔ ظہوریؒ کے اتباع میں اندازِ پرداری کی د و سری خصوصیات کے ساتھ ساتھ نثری تراکیب اور نثری فقرات کی ایجاد و اختراع بھی سہائی کے وطن ہم کو ملتی ہے۔

۵۔ د و نون کی نثر میں موضوع سخن اور خیالات کی یکسانی کے ساتھ ساتھ ان کی وضاحت میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔

ذیل میں ہم نسبتاً تفصیل سے ان خصوصیات کا ذکر کریں گے اور ساتھ ہی ان کی

طرز انشا کی چند مثالیں بھی دین گے۔

اگرچہ سہائی نے ریزہ " جواہر ظہوری کی سے نثر کی طرز پر تصنیف کی اور یہ سہائی

کی طبع زاد تصنیف ہے جو انھوں نے ظالمط " شعوری طور پر ظہوری کے اسٹائل پر لکھی

جیسا کہ مدنی دین د بالہ جامع کلیات سہائی، فہرست کلیات میں ریزہ جواہر کے ضمن

میں لکھتے ہیں۔ " نظم و نثر نہایت پاکیزہ عبارت رنگین و طرز سے نثر ظہوری د ر مدح

سراج الدین بہادر شاہ ..... ایک اور بگہ سہائی کے ہیں تاگرد رعید یعنی منی  
دین دہال و بہاجہ \* واجب العرض مولف \* میں لکھتے ہیں \* ..... و ہم نکبت فروشی  
بہارستان رخ شہوری از گلدستہ از طار الفاظ منام آرا ..... اس سے باف ظاہر ہے کہ  
ریزہ جواہر کا ملا سے نثر شہوری کی طرز ہو لکھی گئی ہے۔ ویسے بھی بطور مجموعی  
کلیات سہائی کے عمومی مطالعہ سے یہ بد بھی حقیقت مخرج ہوتی ہے کہ سہائی کے بیشتر  
نثری حصوں اور تعلیقات پر ملا شہوری ہی کے انداز کی نمایاں چھاپ ہے۔

سہائی کے مختلف اور متفرق نثری نمونوں میں د بہاجہ خوانیم و عروج \*  
رسائل و تقاریط نظم و نثر و مکاتیب و رقعات ..... وغیرہ شامل ہیں۔ اس ضمن میں  
فہرست مضمونہ کے تحت یہاں عوی بہام \* کے سلسلہ میں مولف کا تعارفی نوٹ یہ ہے۔

\* نثر طای متفرق و د بہاجہ و خوانیم عروج و رسائل و تقاریط نظم و نثر و مکاتیب  
و رقعات کچھ ہر یک در حسن و خوبی عبارت ظہر خود ندارد \*۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر عروج متون کے علاوہ ان کی نثر نگاری کے  
متفرق و مختلف نثر کے نمونے جن کا ذکر بطور بالا میں کیا گیا، مطالعہ کیا جائے تو  
وہاں بھی بیشتر شہوری کے انداز کی تقلید و نقل واضح طور پر نظر آئے گی۔ اس رائے  
اور خیال کی وضاحت کے لئے ذیل میں چند مثالیں بہتر کی جا رہی ہیں۔

مثلاً یہاں عوی بہام کی ابتدا جو وہ تعریف روغہ منورہ \* حضرت بلال تعالیٰ تعالیٰ  
سے کرتے ہیں۔ اس میں ایک جگہ اس عبارت سے شہوری کا ردک باف چھلکتا نظر آتا ہے۔

\* ..... فیہ برور مٹائی کہ فلک را بہوای آستاند بر خود با جدن سرمایہ \* استعداد  
بزرگی فراہم آورد نیست۔ و خورعید را بہاروپ عجاج خاک ہیشگا ہر رفتن اسباب روشن دل  
سہا کردن .....۔



کی تحریر میں ہم کو نظر آتی ہے۔ در حقیقت ہر قسم کی تحریر میں خوبصورتی اور سنا۔  
 طریقے سے اعمار کی ہیئت کاری بھی ایک خصوصیت ہے جو ہم کو صرف چند ہی نثر نگاروں کے  
 وطن ملتی ہے۔ ظہوری اور سہبائی دونوں اس خصوصیت کے حاملیندہ نثر نگار ہیں۔  
 فعل حذف کرنے کی کچھ اور مثالیں جو ہم کو کلیات سہبائی میں ملتی ہیں وہ مندرجہ ذیل  
 ہیں۔ \* ..... لفظ اس پر کردگان لفظہ آن چمن ست و معنی از تر و ماغان بہار  
 این گفن از ہدایت کہ علم طبع اندیشہ جو بہمن نوردا (علاج دگرہ و خلل بنای  
 افکار جو بہمن صالح چارہ نہ ببرد)۔  
 \* ..... خارج آمدگد اثرہ این بزم مرہون ادا طای ہی اعتبارست و مطلق نوای بردہ  
 این سار مفتون لفظہ مولت عساری۔  
 \* ..... فقیر سہبائی عریضات ناعانی جمال این عرائس ست۔ و خواب ردہ سودای  
 این نفاثی .....  
 \* ..... تمام اجزای ہیکر این مادہ در یافتنی ست و ہیے لفظانی صورت این ہیولی  
 و نگاہنی ....  
 ظہوری کے وطن لاری زبان و دستور کے ایک قادر و نازک قاعدہ کے استعمال سے  
 کی مثال اکثر نظر آتی ہے یعنی وہ اپنی عبارتوں میں اکثر رسم فاعل ترکیبی (مرہم) کے  
 دونوں اجزا کو ایک دوسرے سے ہمید اور جدا لکھتا ہے مثلاً  
 \* مفلوج زور ہلجہ غیر عکن \* اعل میں اسم فاعل ترکیبی کے اجزا صرف \* زور عکن \* ہیں  
 لیکن وہ درمیان میں \* در ہلجہ غیر عکن \* لاکرہ دونوں ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے الگ  
 کر دیتا ہے۔ سہبائی نے نہ صرف اس خصوصیت کی ہمید تقلید کی ہے جیسے \* فدا تہذیر  
 خون در دل طارا الکن \* یا ”لعمہ سنان آئی در خرمن خور عید زن“ وغیرہ بلکہ

اس نکتہ کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ اہل زبان نے اس طرہ کو ہرٹا ہے اور یہ استعمال قواعد کی رو سے جائز و مروج اور مرسوم ہے لہذا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ربوہ\* جواہر اور سہ ظہوری میں مضمون کے اعتبار سے بھی مماثلت پائی جاتی ہے یعنی جس طرح ظہوری نے والی بجا پور ابراہیم عادل شاہ ثانی کی تعریف میں اس کی اجماع، شریعت، شان و شوکت، عدالت و عبادت، سخاوت، صورت و حیرت اور کمالات کے اظہار میں زور بجا نہ صرف کیا ہے اسی طرح سہبائی نے ایسے مدوح بہادر شاہ کی اتباع، شریعت، صفوری، عہد و عمرت، سخاوت و عبادت اور عدالت کی مدح میں مخالفہ آرائی کی ہے اور ایسے قلم کے جوہر دکھائیے ہیں۔

مثال کے طور پر دونوں افسانہ بردار ایسے مدوح کی عبادت اور سخاوت کے بارے میں اپنا زور قلم صرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چنانچہ ظہوری عبادت کے بارے میں لکھتے ہیں:

..... بعدیت نیروی بازویش حکایت سرپنجه عمر زبان کام و زبان مردم  
عکسہ و ہرمائدہ\* ملت رزمی گوش از استماع داستان هفت خوان رستم سر  
نستہ بہاروی نونا دم تیشی ہر تارک گردون عکاف انداز و بہت ناف نونک  
ہنگامی در بہت ناف ناف سار نہیہراگر در خواب ہرعد و ہیمون ہرہ عجب کہ  
در بیدای سرازان ورطہ بیرون ہرہ انداز کند غیر بند سراز کند طرہ\*  
سلسلہ مویان تاب ہرہ و دعدہ\* تہنہ ہیمون اعدامی با تیغ غمرہ\* عویان  
در یک کارخانہ آب خوردہ رخصای کاری ..... ۲

• عبادت • کے ہی موضوع پر سہبائی لکھتے ہیں۔

..... جرات را از طبع غیر ہنگامیت شہد مکان در حوصلہ اعراہ جستن۔ و



توانائی را از سر پنجه\* هر بر پیشکوه\* تنگی باد و منظر دستر و بفراخ دستن  
در وصف میا پند سر بر خامه با نعره\* غیر هم آهنگ- و در مدح جبا عتس نوک قلم  
با ناخن هر بر یک رنگ رستم از بیم عیبوند هر نفس از خواب عدم بسته - و بهمن  
از هیبت حمله ابر در نهان طایفه\* کور آما ده\* گیر بسته شکل ستان بر طایفه\*  
حناک المی نما - و نوک نیر از دست سلطان انگتر رها ظفر را نام عمه بر  
چون دای سیلی بر زبان ست - .....<sup>۱</sup>

ظهوری سخاوت کی موضوع بر کشید چون گفته هین -

\* که کناه گن کفر تنگی در جهان نکذا عتد الا در دل بدان و دستان خوبان  
برد طایفه از روی عیبها بر کشیده برچشم بد بهمان بسته و نعلها که از دور  
گنجها برداعته برد طان سخن چنان گذاشته هیچکار والا هستان تشریف  
صلای چنان نه رفته که دستی بآن در راه نشود و هیچکدام از مانده گستران  
و بگ صای چنان نه رفته که حرفگیری صای زبان زد طبعه نکرد .....<sup>۲</sup>  
اسی موضوع بر کشید صهبائی اس طرح رفتار از هین -

\* در طوفان محیط علایق دامن آرد از موج گوهر گرداب - و از طغیان سبل  
سایر وسعت جاه حرم تنگی طرف حباب در نمان کهر ریزی کف جواد را  
اغارت امساك مدف در انگشت - و در بهارستان زور یعنی شکوفه\* دستر را  
محر بطل غنچه در صفت گرمی آفتاب صفت بهاری از محیط کلش برانگیخت  
ابر نمان بر آورد نه سو جولان حوصله بودی کرد از نهاد بطل بر آورد کا نه لقب  
کرد نه حباب محیط علایق گوهر .....<sup>۳</sup>

۱- کلیات صهبائی ص ۲۵

۲- سه نشر ظهوری ص ۲۹

۳- کلیات صهبائی ص ۲۸



باب چہارم

سہیلی کے اقبالوں پر انداز ہمدل کا غلوذ

### باب چہارم

#### سہائے کی انعاموں پر انداز ہمدل کا نغمہ

مرزا عبدالقادر ہمدل ایک عہد آفرین شخصیت تھے۔ انھوں نے اپنی عظیم شاعری نثر  
ننگارہ اور عالمانہ نثر نگاری سے متعدد ادبیات کمال کو متاثر کیا ہے۔ انھوں نے ادب  
یہ میدان میں وہ مقام و درجہ حاصل کیا کہ جس کی عظمت سے بڑے بڑے صاحبان فن و بصیرت بھی  
اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کے دور سے لے کر زمانہ مابعد میں بھی چند ایسی  
شخصیتوں پر ان کی شاعری اور نثر کے گہرے اثرات متروک ہوئے جو بذات خود ادب فارسی  
کی دنیا میں نہایت درجہ عظمت و سربلندی کے حامل و مالک تھے مثلاً غالب و سہائے  
عبداللہ خان علوی وغیرہ جن کے کمالات اور آثار ادبی سے کثرت عدی کی علمی و ادبی  
مستملین فروزان اور تابندہ تھیں۔ غالب نے ایک جگہ ہمدل کو "محیط ہے ساحل" کے عنوان  
پر یاد کیا ہے۔ ایک دوسری جگہ کہتے ہیں "

آمد کاسد میں نہیں جز نغمہ ہمدل

عالم صہالانہ ما دارد و صاحب

یا

اب ہر جا سخن ہے طرح باغ تازہ ڈالی ہے

مجھے رنگ بہار ایسا دی ہمدل بسدا آیا

یا ان کا مشہور شعر

طرز ہمدل میں رہنمائی کہتا اسد اللہ خان نہایت ہے

غالب نے صرف ہمدل کے ہی انتہائی معتقد بلکہ زبردست مقلد بھی تھے۔ ہم یہ جانتے

ہیں کہ اپنی شاعری کے اولین دور میں وہ ہمدل سے کمر درجہ متاثر اور ان کے مداح و

ننگارے تھے جو کچھ بہت تھے انھیں کے انداز میں کہتے تھے۔

اقبال نے بھی بیدل کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور ان کو "مرد کامل" کے لقب و عنوان سے یاد کیا ہے۔ وردا بن داس خود کو نے اپنے تذکرہ سلیمہ\* خود کو میں بیدل کا ذکر بڑی عقیدت مند سی سے کیا ہے۔

یادگار غالب میں حالی کا قول ہے کہ

"معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے فارسی قول بھی اول مرزا بیدل وغیرہ کی طرز میں کہنی شروع کی تھی چنانچہ بہت سی غولین ان کے دیوان میں اپ تک موجود ہیں....."

ایک دوسری جگہ حالی کا بیان ہے کہ —

"اگرچہ مرزا نے بیدل اور ان کے متبعین کی زبان اور ان کے انداز بیان میں عرصہ کھٹا بالکل ترک کر دیا تھا اور اس خصوص میں وہ اہل زبان کے طریقے سے سرمو تجاوز نہیں کرتے تھے، مگر خیالات میں بیدلیت مد شدہ تک باقی رہی۔"

اس تذکرہ سے محض یہ بظاہر اور ثابت کرتا مقصود ہے کہ غالب جیسے فاضل فن کے خیالات و افکار ہ انداز شاعری نیز کسی حد تک روح نثر نگاری پر بھی بیدل حد درجہ موثر تھے اور ان کا اثر مرزا پر بھی حد گہرا اور غالب تھا۔ لہذا جو کچھ کہتے ہیں اس طرز و اسلوب میں کہتے ہیں استعارے وہی تراکیب اور مجموعی طور پر وہی انداز بیان اور انداز فکر۔ لہذا یہ کہتا غالباً\* بیجا نہ ہوگا کہ غالب نے اپنی نثر نگاری اور تعلیم نگاری کا آغاز ہی بیدلیت سے کیا تھا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید غالب سے پہلے ہی بیدل کے دور میں میں ان کے اثرات عمومی کا جاد و جلنا شروع ہو گیا تھا اور وہ اثر صد گہر تھا جو بعد میں بھی قائم رہا یعنی سہائیں و علوی اور غالب کے دور تک۔

۱۔ یادگار غالب (حصہ فارسی) بہ تصحیح و ترتیب مالک رام ص ۲۲۲

۲۔ ایضاً ص ۲۲۲

جس طرح کی طرفگی و نبردگی، خیال و جدت فکر و علمو مضامین و خیالات میں پہنچ و اشکال اور ندرت مضامین اور مطالب و مضامین میں فلسفہ باقی جیسی صفات بیدل کی طاعری میں ملتی ہیں و نثر ہما۔ اسی طرح تراکیب نو کا ہکثرت استعمال و صنعت کاری و اشکال و اغلاق و بات کو پہنچ جے کہلا و استعاروں اور کلاہوں کا بالمرہ استعمال و صبح و ترصیح انکی نثر کا بھی خاصہ ہیں گویا ان کا فن عمر کے قالب میں نثر کے روپ میں ہلاکت آمیز اور نہایت مرصع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فن کا باآسانی ادراک اور اسکی تفہیم و انہام آسان کام نہیں۔ بہر حال بیدل کے خیال و معنی کو سمجھنے کے لئے ان کی نگاری کا ہورا احاطہ کرنا ضروری ہے بیدل کی تصانیف (جو اس زمانہ میں متعدد اول نمونہ) سہجائی کے علی الرغم و غالباً دستور زبان فارسی و عربی متون مشککہ وغیرہ جیسے مسائل پر مشتمل نہ تھیں یا بنیادی طور پر زبان و محاورات و فقرات یا لسانی و لغوی اور دستوری مسائل کی ترمیم و توضیح اور ان کو عوام اور دیگر حضرات کے لئے آسان تر بظاہر غالباً انکی پیش نظر اور ان کا مقصد نہیں تھا و لہذا بظاہر اس نثر کے باوجود فن ادب پر داری کے متعدد و مختلف عناصر و نون ادیبوں کی تعلیمات میں مشترک اور ایک دوسرے سے متماثل ہیں۔

بیدل علی واد ہی دنیا و بالخصوص ادب پر داری کے عرصہ و صبح میں جس پر ان نے دور نہ پہنچتے پہنچتے بہت ہندی کی بہت نمایاں اور امٹ جٹا بڑ چکی تھی اور فارسی نثر پر اسکا نقش عتہ اور مرصع ہو چکا تھا و وہ ایک حد درجہ اثر انداز ہوئے والی شخصیت تھے مانت تھے اور ان کا نفوذ بہت ہمن طریقہ ہے اس دور کی نثر نگاری پر بڑا عروج ہو چکا تھا جو ان مخصوص خصوصیات کی حامل تھی جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ اس امر کا متعدد بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ عہد یعنی اواخر دور تیموری بالخصوص ادب اور نامہ نگاری یعنی

مکتوب نگاری کے لئی امتیازی اہمیت کا حامل ہے اور بعد لاسی دور کی پیداوار تھی۔ ان  
 نثر نگاری کے غلام و رموز، عام انداز و روش اور فکری اور فنی معائن و خصائص اور  
 دوسرے بعد کے فنکاروں لپس اس نثر یا نثر نگاری کے گہرے نفوذ اور اثرات سے بحث اور اسکا  
 تجزیہ کرنے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ اولاً ان کی حیات و احوال کا اہم مختصر سا تذکرہ  
 اور انکی تمام نثری تخلیقات کی فہرست پیش کر دی جائے کہ جنکے ایک اجمالی مطالعہ اور  
 جائزہ کے بغیر کلیتہً انکی نثر نگاری اور اسکی مبہم و غوسسات کو سمجھنا اور اسکی ہر کہ  
 اور بھر اس بات کی تحقیق کہ ان کے آثار منظور کا کیا اثر خود ان کے دور میں اور پھر  
 اس کے بعد بھی کیا ہوا اور فارسی نثر پر ان آثار کے کیا اثرات مرتب ہوئے، وغوار امر  
 ہوگا، لہذا ذیل میں ہم پہلے ان کی زندگی کے حالات اور بعد میں ان کی نثری تصانیف کا  
 مختصراً ذکر کریں گے۔

ایک عام خیال یہ ہے کہ بعد لاسیم آباد (ہندہ) میں پیدا ہوئے تھے لیکن یہ بات  
 از روئے تحقیق صحیح نہیں اس لئے کہ محقق اور مستند روایات کی روئے میں یہ بات واضح  
 ہوتی ہے کہ وہ ہنگال میں بہ مقام اکبر نگر (راج محل) پیدا ہوئے تھے اور اہم مدت تک  
 وہیں زندگی بسر کی۔ اور پھر بعد میں ہندوستان کے شمالی حصے کی طرف رخ کیا اور غالباً  
 یہ سفر عالم جوانی ہی میں ہوا ہوگا۔ جہاں تک ان کے حسب نسب کا تعلق ہے تو یہ بات بہر حال  
 نسیم ندہ ہے کہ ان کے آبا و اجداد ایرانی النسل تھے۔ اور دور مغلیہ میں یا غالباً  
 اس سے بھی پہلے بھارہ سے ہجرت کر کے ہندوستان پہنچے اور ہنگال میں اقامت گزین ہوئے تھے،  
 جہاں بعد لاسی کی ولادت ہوئی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا اسکی جوانی کے دور تک وہ راج محل  
 ہی میں رہے، پھر بعد میں ملازمت کے مقصد سے عظیم آباد (ہندہ) گئے اور پھر وطن سے اہون  
 نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ یہ بات کہ وہ عظیم آبادی تھے، غالباً پہلی بار غلام علی

آزاد بلگرامی نے اسے مشہور تذکرہ خزانہ عامرہ میں لکھی ہے اور انھوں نے ہی غالباً پہلی بار بیدل کا مولد و زاد گاہ پٹنہ (عظیم آباد) بتایا ہے جس کی وجہ سے یہ غلطی یا غلط بیانی عام ہوتی گئی اور وہ مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کہلاتے جانیر لکیر۔ خزانہ عامرہ میں جس کا سن تصنیف ۱۱۷۸ھ ہے ان کے بارے میں حسب ذیل بیان درج ہے۔

..... اصلش از گروه اشرار (برائی، ۹) است و در بلاد عظیم آباد

از بیستان عدم بہ صبح کہ ہستی رسید و در بلاد ہندوستان

نشوونما یافت و در ہنگالہ ہیستمر بسر میبرد .....!۔

یہی غلطی تقلیداً بہار کیرد و مشہور تذکرہ نویسوں نے بھی کی ہے اور ان کی جلی

ولادت عظیم آباد یعنی موجودہ پٹنہ بتائی ہے۔

یہ دو تذکرہ نویس جو طاسی اہمیت کے مالک ہیں، علی ابراہیم خان خلیل اور

حسین قلی خان ہیں جنھیں تندر بالترتیب سدا براہیم اور شتر عقی میں اس بات کو

دہرایا ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

امر غلط نہیں کا تواتر اور تسلسل اس درجہ بڑھا کہ بعد کے متعدد ہندوستانی

تذکرہ نویسوں کے علاوہ تاجکستان کے معروف و مشہور معاصر محقق و شاعر و ادیب اور مصنف

مد والد بن عینی نے بھی جنھوں نے ایک مستقل کتاب بیدل پر ترتیب دی ہے امر غلط نہیں کا

اعادہ کرتے ہوئے ان کو عظیم آبادی بتایا ہے۔ ان کا قول ہے،

نام این شاعر فیلسوف مرزا عبدالقادر، تخلص بیدل و لقب

از طرف اہل ادبیات دادہ شدہ اسراہ ابوالمعالی ہودہ در شہر

عظیم آباد و پٹنہ کہ از مضافات ولایت طای بہار و ہنگالہ باعدہ در

سال ۱۰۸۸ھ تولد یافتہ است۔



ان تذکروں کے علاوہ بھی دوسرے مآخذ سے ان کے وطن اور جای ولادت کے بارے میں غیر مکمل و ناقص اور متعبد بیانات ملتے ہیں جن پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ مختصراً اگر نوعیت کے صرف چند مآخذ کی نشاندہی کی جارہی ہے، مثلاً تذکرہ ظاہر نصرآبادی، صفحہ ۴۰، خودگو از وردا بن داسر خودگو، کلمات النعرا از مرزا افضل سرخوش، سراج النہال از عثمان لودی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن شاہ محمد... شقیع وارد کے بیان سے جو امر یہہ الجیے تذکرہ مرآۃ الواردات میں پیش کیا ہے اور جس کو بعد میں لچمی نارائن غفی نے اذیراہ تذکرے میں پیسہ نقل کر دیا ہے، تبدیل دیے وطن و زاد گاہ وغیرہ ایسے مسائل پر صحیح روشنی پڑتی ہے اور موثق اور قابل اعتبار معلومات ہمیں حاصل ہوتی ہیں جن کا اہم احوالی ذکر ہم بطور ماقبل میں کر آئے ہیں۔

بیدل کی نثری تالیفات۔

مرزا عبدالقادر بیدل کے نثری آثار ناموں میں چار عشرہ مکاتیب یا مکتوبات (جو عام طور سے علمی و ادبی دنیا میں رفعات بیدل کے نام سے مشہور ہیں اور طبع بھی اسی نام سے ہوئے ہیں) اور اہل نثری تعلیم بنام نکات شامل ہے۔ علاوہ برہن انہوں نے اپنی مشنوں پر مقدمات بھی تعلیم شیعہ میں جو غالباً "ار زمانہ کی / اہک عام روزِ تحریر تھی، مثلاً "مثنوی بعنوان محیط اعظم" بر اہک مقدمہ یا تقریظ۔ اس مقدمہ میں دراصل انہوں نے اہک مقدمہ اپنے دیوان قدیم پر بھی تحریر کیا۔ اسیر علاوہ چند اور بھی مقدمے یا تعارف نامیے ہیں جو ان سے یادگار ہیں۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ ان کی نگارش کے انداز میں سادگی کی تحریر کی کوئی گنجائش نہیں، تمام تر تعلیمات کا انداز مرصع اور حاشانہ ہے اور ان بطور میں انہیں خصوصیات کا ابطالی تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔

## ۱۔ چہار عنصر

مرزا عبدالقادر بیدل کی اہم ترین تصنیف "چہار عنصر" ہے۔ یہ اہم کتاب چار ابواب اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے۔ انہوں نے ہر باب کو ایک عنصر کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ یہ الفاظ دہکر یہ تصنیف چار عنصر یا چار اصول پر مشتمل ہے اور ان اصول یا چہار عنصر کی تفصیل خود بیدل کے الفاظ میں یوں پیش کی جا رہی ہے۔

- (۱) عنصر اول - اہجد اشغال عملہ مقالہ و گرمی طای صحبت ارباب فضل و کمال۔
  - (۲) عنصر دوم - روائج نگہبانی بہار عالم منظوم و نسیم فیض غلام فوائد معلوم۔
  - (۳) عنصر سوم - طراوت عیشتان مراتب منظور و آب باری نعلستان کلمات عمور۔
  - (۴) عنصر چہارم - غبار ثنائیہ بساط سور عجائب و رت زدا ی آئینہ نقوش غرائب۔
- بیدل نے کتاب کے آغاز ہی میں اس امر کی نشاندہی کر دی ہے کہ اگرچہ اس تصنیف کو کوئی خاص امتیازی وصف یا خصوصیت حاصل نہیں ہے پھر بھی اس کو پڑھنے کے بعد پڑھنے والے کی حیرت میں اضافہ ہوگا۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس بات کو نہایت مرصع انداز میں یوں پیش کرتے ہیں۔

"مر چند بساط این صفات از نقوش امتیاز طافت باری و سواد حیرتی  
روشن میتوان کرد و اگر همه مینای این محل از سہائی اعتبار خالیست،  
بہمانہ نگاہی پر گردش میتوان آورد۔"  
(ترجمہ - باوجود اس بات کے کہ ان صفات کی بساط امتیازی غان سے عاری ہے  
لیکن اس کے مطالعہ سے قاری کی حیرت میں اضافہ ہوگا، اور نگاہوں کا بہمانہ  
گردش زمین آسمانی کا۔)

بمدل

( در مکر ارسال روغن بادام بشکرالله خان )

”بمدل آن صحت پی توانان اند سه نفس هستی  
 آغذایان اند - در طرب زار عالم خم و هیچ  
 يك عری حبلت اند و بانی هیچ - خامه از  
 نارسانه های طرب تحریر مژگانیه پلغوز می  
 آورد اعلیه بوضع نطقی چکیدنی و ملحه  
 از بی وسعت های بیان بر خود بهجیدنی“ - ۱

( مبارکباد عهد بنماکر خان نودته عد )

”روغن بهانی طایع طالع عهد که اغاره“ ابرویست  
 از عروج مطلع \* کمال و موج باد و از طاهر  
 کلیات عرواقبال رفته تراکتی که برهم  
 نافته بشمع افروزی انجمن تهیت عهد  
 تارامید بالنده مناور فروغ تحسین و مطبول  
 نظر آفرین باد قلت استعداد قوای حبلت  
 اختار میناد - ایهات -

طالع امشب بآن مستی برون از پرد و می آید

که کونی از می بزمقلیب ترکرد و می آید ۲

سهبانی

( بنواپ حیدر حسن خان صاحب رئیس ساهبها آ باد )

”نماری که از کسوت خانه“ ضمیر لباس حرف پوشید  
 و عجزی که از کارگاه زبان در کسوت الفاظ جوید  
 در وضع سجود آستانه“ گرامی بواسطت سرنگونی  
 خامه“ تسلیم سرعت ناسیه ساست و بد ریمه نفوذ  
 نامه جبه آرا در جنب ورود عنایت نامه اگر ارهم  
 موربان سیاس نیروبانده یارب هر چند بنوک سهره  
 پاگذازد کار دنده“ سیه تاب نماید“ ۲

( سواد مکتوبی که بعد متجذاب مولوی عبد الله علوی )

”سرای سبکیهای تودع عوی در سحرانی ده انداخته که  
 بطور نامه اگر همه جاده را نماید جهان بهمان  
 جستجوی قلم را در منزل تسکین سر باید کفید  
 و نال خامه اگر همه بهجت با برآید چون نقطه  
 در دانه“ نذر قدم باید فن آرمید -  
 بسکه گردد معوج حیرت عوخی انداز ما  
 خامشی يك نغمه رنگین بود از ساز ما

نارسانی پیکر معذ وری برد احتست

رخت پرور آشیان نقش با پرواز ما“ ۳

## بیدل

( ہنگرائلہ خان تاریخ ولادت فرزند )

”لہ الحمد امروز چمن فصل حق چمرہ بردار  
عالم طرب جوئی ست و بہار فیض مطلق  
رنگینی آغار ہوار انجمن عشرت فروغی دیدہ  
را از هجوم انوار ہرات خط شعاعی ہر موزگان  
آوردن ست و گوہارا از نقاط اخبار مدای  
عندہ گل در دماغ پروردن :

آہا کہ رموز جہر و اختر خواندند  
وز سلفہ کون خط محور خواندند  
سال ایجاد این تبلی مطلع  
داناہان سبح ہفت کشور خواندند

## سہبائی

( ہتلمہذ رحمہ منشی دین دہال )

انظار ہستہای عالم خود از نوک موزگان  
ہر گاہی ہرجم ہرمدہ میگذارہ تبلی  
ہیچتاہ نگاہ معاہدہ کرد نیست۔ و ہی  
اختیاری جستجوہای نعل عرائی از جہہ  
سعی میگذارد تسکین ہواہب اظہار ہر صورت  
آوردن ہی طاقی عالم ہجرت ....  
چشم آئینہ خیال کی ست  
حاصل ہر ہم و مال کی ست  
با ریاہن نالہ خرندم  
گوئیا این ہم از سفال کی ست

چنانچہ ان چند تقابلی امثلہ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں مکاتیب ہا  
رقعات میں زبان نہایت مشکل اور تعبہات و استعارات سے بھرہ مسیح اور مطلق ہے۔ نہ صرف  
یہ بلکہ رقعات میں ہر دہ میان میں اعمار کی پیموند کاری بھی دہ و نون کی مشترکہ خصوصیت ہے۔  
بیدل نے اپنی نثری تعلیمات بالخصوص رقعات اور مکاتیب میں جو مختلف دستوں ہ  
آندازہ اور معد و حین کے نام تحریر کیے تھے ہ مناسبات لفظی و معنوی کا استعمال بہت کثرت  
نواہر اور تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔ خود بیدل کو اپنے رقعات بالخصوص اعمار کے مشکل  
ہونے کا بعد احساس تھا ہ چنانچہ حسین قلی خان بہادر کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ۔

۱۔ کلیات بیدل ہ ۱۶۷

۲۔ کلیات سہبائی ہ ۱۹۷

" در ضمن مطالعہ نوازش نامہ اند بندہ وجود ربندہ پنہم ہر گل سنی  
 کہ ہر دخت چہ کہلیات رنگ و ہوی بہارستان کمال بندہ دقت  
 عامہ در زمین غزل نظر کما کہ ربط ہموار بناند کی ہجو دخت  
 و غیر از طبع سلیم و فکر متین ہر اکثر طبایع احتمال لغوی می گاعت"  
 بہر حال مختلف مکاتب و رقعات میں متعدد موشوہات ہر نہایت عجیب و غریب  
 اور تیکھے انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ اور یہ دعویٰ خلیا "بجائے ہو  
 کہ مفہم و مطالب سے زیادہ ان کی نثری تعلیقات میں ادبی و لسانی و لغوی اور  
 منافع و بدایع کی خصوصیات زیادہ ملتی ہیں۔ ذیل میں ان کی چند خصوصیات نثر نگاری  
 مختصراً بیان کی جا رہی ہیں۔

- ۱۔ انداز بیان نہایت فاضلانہ و عالمانہ اور بوجد کی آہر ہے۔
- ۲۔ خطوط اور دوسرے نثری نمونے دقیق خیالات و افکار سے ملے ہیں۔
- ۳۔ نثر میں کہیں کہیں اضمحار کی بھوند کاری بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔
- ۴۔ زبان و طرز بیان غامض اور مرصع ہے اور ان میں اسی نوعیت کی فقرات و  
 مطاویر و الفاظ و تراکیب الفاظ و فقرات اور تشبیہات و استعارات ملتے ہیں  
 جو غامضی میں استعمال ہوتے ہیں۔ کم و بیش یہی خصوصیات مہبائی کے دھان  
 بھی ملتی ہیں۔

ذیل میں چند نمونے بطور موازنہ پیش کیے جا رہے ہیں۔

## بیدل

( بنوآپ مکتوب مرزای عباد اللہ )

” کیفیت ورود عنایت نامہ مخمور سہاے  
دیدار بہزار رنگ نشا \* سر بلند جمعیت  
گردانید و منتظر ہمانہ \* رسول را بچندین  
خستان سرخوشے نوید عنایت رسانید آئینہ  
امیدار معاہدہ جمال بہمثال خیال قیامت  
ہی اختیارے دادہ و ملکہ آرزو از مطالعہ  
حصول دیدار بہ تحریر تصور نقش نسکھ  
می عمارد گرفتاری سلسلہ اوطام را حلیرے  
نہست مہجور اندیشہای خام و وامندگی وضع  
تصیر را تدبیری نمیتوان یافت از پر  
عنکبتای الفت این دام —

گرو پا ہرکنیم طارے نیست  
روز د و نیا ننگیم باری نیست  
باز خویشم و خار پایے خود ہم  
مہروم از خود ہجایے خود ہم ۱۷۱

## سہاے

( بعد متجذبات مولوی عبد اللہ خان علوی )

”..... خزان فرسودگی ملکہ \* این روی رنگینی  
نگاہ تا ملی میخواست تا بازو یاد کیفیت  
ہندید گہا غایبہ \* گلچینی نگاہ بہار طبعان  
تواند کرد بد — و سیاہ قلمی کردہ \* این اند بد  
رنگ آمیزی ہوقلمونہای تفکری آرزو دارد کہ  
بحصول خردہ کاریہای حسن ہمنامہ \* تحصیل اعتبار  
تواند رسید امید کہ حسن مطلق این شاعر مقبول  
طبع وقت ہند و رآید یارپ سواد نامہ \* تحقیر  
علامہ خطاغر رسول یاد —

.....  
.....  
اضطراب از دل و انداز تفاؤل از دست  
وای گر جذ بہ بہ ہنرمند طبع ن فرسد  
زان تصور کہ در اند بدہ فراہد ر رخسار  
دل اگر آب شد از دیدہ بدامن فرسد ۱۷۲

بیدل

( بشکرا لله خان در دفع اوهام  
لشکر کشیا بحد رآباد ۵۰۰۰۰ )

”دل حیرت آفرین ست عروفتگر کفائیم  
در خانه هیچکی نیست آئینه است و ما نیم  
رنجی نه بسته بر ما بیداد کرد ورنه  
دست کرانگاریم بانی کرا حنائیم  
نما عاتیان انجمن ارادت به خون  
بظهور کفیات آثار کن لیکن سرخوشی  
نما رضا دارند که هر چند جوهر خستگان  
افلاک جاغر بستی بهما بد خیاره خیال  
السرود کی بسلطه ما ح ایسان نه بیوند  
غیر و غیر که دارند بر فلفل و گذارند  
هر چند امید عفو ست در کیش ما گناه است  
باعتد غیر تسلیم و بگر چه سر کند کسی  
در آفتاب صحرای بی سادگی پناه است“ ۱

صهبائی

( پشیمید مدنی دین دیال )

”سواد م کرد روغن نامه“ مدنی نواز من  
تواند کرد تار بی نیازها نیاز من  
حکم ارعاد فیض بینا و مامور پیر اختیار ۲  
عبارت آرائی ست که سواد موار خاک قدوم  
خان صاحب مدنی مناسب همان بر تجلی  
انوار طور هزار جفا نه“ رنگ می نماید -  
و زمیشتار نقش پای سعادت اما یغان  
در جیب سایه“ بال معاد فقر هزار گونه  
عرف میکند -  
غبار سپید روح ما را نسیمی ست  
اگر رنگ بر چهره پرواز دارد  
باین عوخی از جلوه دم می گیرد  
دل من بر آئینه مد ناز دارد“ ۳

۱- کلیات بیدل ( تحف ) ص ۹۵

۲- کلیات صهبائی ص ۹۸

غرض امر مفتی سے بحث ہے مضمود ہیں ہے کہ بطور مجموعی دونوں استادان کلم  
و بیان کیروہان استعاروں و کتابوں و فقرات و الفاظ و سطاغات لفظی و معنوی اور  
تواکب کی مماثلت کی بنا ہو چکے ہوئی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے اور یہ کہنا بڑتا ہے  
کہ سہجائی کے انداز ہو بیدل کی تحریر اور طرز نگارش کی تاثیر اور اس کا نفوذ  
ہوئی حد تک کار فرما ہے اور اسی بنا ہو سہجائی کو بیدل کا مفلد کہنا بیجا نہ ہوگا۔

---



## بَابُ اَوَّلُ

هندوستان مین د وره \* متاخرین مین فارسی شعرکا  
ارنقا \* ۔ ایک اجمالی جائزہ

### فہرست منابع

- ۱۔ آثار المنادید ..... سرسید احمد خان ..... نولکھور لکھنؤ \* ۱۸۹۵
- ۲۔ تعلیمی صلاحیتیں ..... ڈاکٹر نذیر احمد ..... دائرۃ المعارف لکھنؤ \* ۱۹۰۸
- ۳۔ خطبات گاربان و قاسمی ..... مترجمہ و غایب کردہ انجمن ترقی اردو و ٹاورنگ آباد \* ۱۹۲۵
- ۴۔ دستورالخطبات ..... حکیم سید احمد علی خان بکنا  
\* بتصحیح امتیاز علی خان عری \* ۱۹۶۲
- ۵۔ دہلی کا ایک یادگار مناظرہ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ ..... دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی \* ۱۹۵۰
- ۶۔ مجمع انجمن ..... نواب سید یحییٰ حسن خان  
تلخیص و ترجمہ از سید شاہ  
کا کوی۔ ..... عظیم الشان بنگلہ پو پشاور \* ۱۹۶۸
- ۷۔ طبقات الصوفیاء عند ..... ایف فلن و مولوی کریم الدین۔ دائرہ ادب و پشاور \* ۱۹۶۷  
مع تعلیقات از سید شاہ علاء الرحمن  
علا کا کوی۔
- ۸۔ کلیات سہبائی ..... امام پشور سہبائی  
مرتب مدنی دین دہال ..... مطبع نظامی کابلور \* ۱۹۷۸
- ۹۔ کلیات سہبائی، حصہ اول و دوم ..... \* \* ..... مطبع نولکھور لکھنؤ \* ۱۹۸۰
- ۱۰۔ کلیات سہبائی ..... مرزا عبد القادر بیدل ..... \* \* \* \* \*
- ۱۱۔ گلستان سخن ..... مرزا قادر پشور پورہ ..... \* \* \* \* \*
- ۱۲۔ مقالات سہبائی (جلد دوم) ..... مولانا سہبائی نعمانی ..... مطبع معارف اعظم گڑھ \* ۱۹۲۱
- ۱۳۔ مرحوم دہلی کالج ..... مولوی عبد الحق ..... انجمن ترقی اردو  
اورنگ آباد \* ۱۹۲۲
- ۱۴۔ سالک و منازل ..... پروفسر شمس احمد بدایونی ..... مکتبہ جامعہ دہلی \* ۱۹۷۵
- ۱۵۔ یادگار غالب (حصہ فارسی)۔ خواجہ الطاف حسین حالی ..... \* \* \* \* \*



## بہارِ گفتار

زیرِ نظر مقالہء جس میں دورہء مطاہرین کے ایک ممتاز ادیب و عالم و شاعر اور اثنائے بردار مولوی امام بخش سہبائی کے نثری کارناموں اور ان کی مجموعی خصوصیات کا بطور ایجاز تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر ای امتحان اہم۔ فل مرتب کیا گیا ہے۔ سہبائی و اپنی نثری تصانیف بالخصوص مرحوم کے لئے ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ ان کی نثر اسلوب و طرز نگارش کے لحاظ سے دورہء مطاہرین کے دو مشہور شاعر اور نثر نگار ظہوری اور بیدل کی نثر سے بڑی حد تک متاثر ہے۔ میں نے اس مقالہ میں تنقیدی مطالعہ اور تقابلی کی بنیاد پر اس بات کی کوشش کی ہے کہ سہبائی کے نثری آثار اور ظہوری اور بیدل کی تصانیف میں جو مطابقت و یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے اس کو تقابلی تنقید سے حتی الحد در واضح کیا جائے۔

دورہء مطاہرین کے ان مشہور و معروف شعرا اور ان کے سبک انشا پر کچھ لکھنے سے قبل ضروری معلوم ہوا کہ فارسی نثر کی مختصر تاریخ اور دور بدور اس کی نثری و تحول کا سرسری طور پر جائزہ لیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تاریخی اعتبار سے فارسی نثر کن مداخل اور منازل کو طے کر کے اس شکل میں آئی جو مطاہرین کا عامہ تھی۔ لہذا اس مقالے کا پہلا باب فارسی نثر کی مختصر تاریخ اور اسکی ارتقاء کا اہم خاکہ ہے جس میں دورہء مطاہرین کے فارسی ادب بالخصوص فارسی نثر کے مطالعہ کے بعد یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ مشکل کوئی و مشکل پسندی و نیز مرجع و وسیع نثر کی داغ بیل متوسطین کے دور میں پڑ چکی تھی اور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دورہء متوسطین

۱۰۰

بہد ل کی نثر سے کتنے متاثر تھے اور یہ کہ مکاتیب میں عموماً " بہد ل کی طرز تحریر کا  
 کتنا اثر ان کی نثر پر پایا جاتا ہے ۔ تطبیق کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میری  
 یہ کاوش ایک نئی ناکام معلوم ہوئی ہے پھر بھی حتی الوسع اس مقالہ کی تدوین میں  
 اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ موضوع و مطالب اور نثر مضمون کی تدریج و توضیح  
 کا مواد اہل علم و ادب میں اپنی اس سی میں گردش و تکا کا عیاں ہوئی ہوں اس کا فیصلہ  
 استاد محترم اور قابل مدد فخریہ مستحق صاحب پر چھوڑتی ہوں ۔ امید ہے کہ میری  
 یہ کوشش مستحسن اور قابل پذیرائی سمجھی جائے گی ۔

میں اپنے استاد محترم ڈاکٹر جمیع الدین صاحب کی پیروی سے شکر گزار ہوں کہ  
 جن کی رہنمائی میں میرا یہ مقالہ باہر تکمیل کو پہنچا ۔ میں اراکین شعبہ فارسی  
 بالخصوص صدر شعبہ ہرولیسر وارث کرمانی صاحب کی بھی منتون ہوں کہ جنھوں نے  
 میرے اس مقالہ کے سلسلے میں ہمیشہ میری ہمت افزائی فرمائی ۔

راحدہ پشاور  
 ریسرچ اسکالرشپ  
 شعبہ فارسی  
 جامعہ اسلامیہ علیگر

میں اگر ایک طرف سادہ نویسی کی روش عام تھی تو دوسری طرف کچھ نثر نگار اور ادیب تصنیف و مبالغہ اور اشکال سے بھرپور نثر بھی لکھ رہے تھے۔ لیکن کچھ مدت تک تو یہ دونوں روغماں تحریر ایک دوسرے کے متوازی چلتی رہیں لیکن دورہ متاخرین تک پہنچتے پہنچتے سادہ نویسی کی طرز و روش ختم ہو گئی اور اس کی جگہ مکمل طور پر منکح نویسی یعنی مسجع و منقح عبارت سے لے لی جس کو ظہوری نے ہام عروج پر پہنچا دیا۔ ظہوری کے بعد بہدل وغیرہ نے اسے مزید ترقی دی یہاں تک کہ غالب کے اس معاصر ادیب اور صاحب امتیاز فارسی نثر نگار یعنی سہبائی نے بھی انکی تقلید کو اپنے لئے قابل نعر جانا۔

مقالہ کے دوسرے باب میں امام بخت سہبائی اور ان کے حالات زندگی کو مختصراً بیان کرتے ہوئے ان کی تصانیف کا اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور ان کی طرز انشا اور اس کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے یعنی ان کی طرز تحریر مکمل طور پر دورہ متاخرین کے نثر نگار اور ادیبوں کی طرز انشا سے کمرحدت مطابقت اور مماثلت رکھتی ہے۔

مقالہ کے تیسرے باب میں ہمیں یہ ظہوری کی سہ نثر اور سہبائی کی تخلیق یعنی رہزہ جواہر کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد کوثر کی ہے کہ ان دونوں کی طرز تحریر میں جو مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے اس کو اجاگر کر سکوں۔ رہزہ جواہر ہاں سہبائی سے نثر ظہوری کی طرز پر لکھی گئی ہے اور نہ صرف طرز تحریر میں بلکہ موضوعات اور نثر مضامین میں بھی حد درجہ مماثلت پائی جاتی ہے۔

مقالہ کا چوتھا باب سہبائی اور بہدل کے طرز تحریر اور مختصراً ان کے نثری آثار کے موارد پر مشتمل ہے۔ اور یہ بتانا اور واضح کرنا مقصود ہے کہ سہبائی